ماہنامہ

جہدِ حق

پاکستان کمیشن
برائے انسانی حقوق

HRCP

جلد نمبر 34... شمارہ نمبر 08... اگست 2026

Registered No. CPL-13

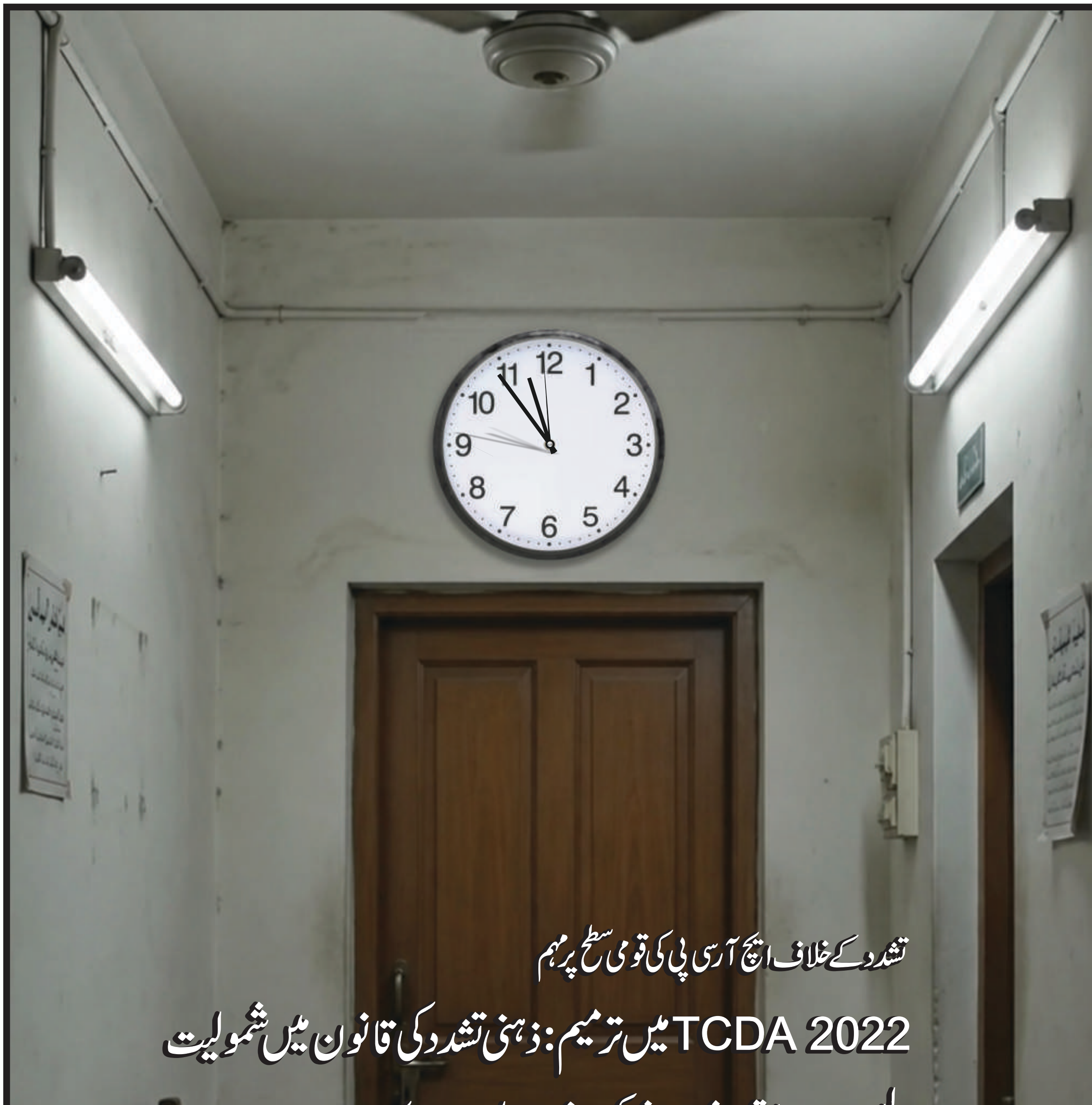

تشدد کے خلاف ایچ آر سی پی کی قومی سطح پر مہم

TCDA 2022 میں ترمیم: ذہنی تشدد کی قانون میں شمولیت

پولیس اور ریاستی قانون نافذ کرنے والے اداروں کا احتساب

OPCAT کی توثیق اور قومی احتیاطی طریقہ کار کے قیام کا مطالبہ

☆ انسانی حقوق کی خلاف ورزی کے واقعات کی رپورٹ

1-وقوعہ کیا تھا:	

2-وقوعہ کب ہوا؟	سال				مہینہ		تاریخ	

3-وقوعہ کہاں ہوا؟	گاؤں		محلّہ
	ڈاک خانہ		تحصیل وضلع
4- کیا وقوعہ کا مقامی رسم ورواج سے تعلق ہے	ہاں		نہیں
5-وقوعہ کیسے ہوا؟ (مختصر تفصیل)			
6-وقوعہ کا ماضی کے کسی دوسرے واقعہ سے تعلق اور اس کی مختصر تفصیل			

7-وقوعہ کا شکار ہونے والے کے کوائف	نام	ولد / زوجہ	پیشہ

8-وقوعہ سے متاثر ہونے والے کے معاشی / سماجی حیثیت	بچہ / بچی	عورت / مرد	غریب / ان پڑھ	بوڑھا / بوڑھی	بیمار
	مخالف سیاسی کارکن	سماجی کارکن	اقلیتی فرقے کارکن	دیگر (تخصیص کریں)	

9-وقوعہ میں ملوث اشخاص کے کوائف:	نام	ولدیت / زوجیت	عہدہ	پیشہ
	-1			
	-2			
	-3			

10-وقوعہ کے ذمہ دار فرد / افراد کی معاشی / سماجی حیثیت	بڑا جاگیردار / زمیندار / بہت امیر آدمی	متوسط طبقے سے / غریب آدمی	بااثر صلاحیت / سیاسی اثر ورسوخ

11-وقوعہ کی پشت پناہی کرنے والے عناصر کے کوائف	نام اور ولدیت	عہدہ	پیشہ	پارٹی / ادارہ
	-1			
	-2			
	-3			

12-وقوعہ سے متعلقہ فریقین گواہان وغیر جانبدار افراد کے کوائف وموقف

وقوعہ سے تعلق	نام اور ولدیت	وقوعہ سے متاثر ہونے والے کے ساتھ تعلق / رشتہ داری	عہدہ	موقف
واقعہ سے متاثر				
واقعہ کا ذمہ دار				
چشم دید گواہ				
غیر جانبدار / پڑوسی				

13-اس قسم کے واقعات علاقہ میں کس قدر ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں	بہت زیادہ	اکثر اوقات	کبھی کبھار	کبھی نہیں

14-اس قسم کے واقعات اندازاً کتنی تعداد میں ہوتے ہیں	روزانہ	ماہانہ	سالانہ

15-وقوعہ کے بارے میں HRCP نامہ نگار / اس کے ساتھ چھان بین کرنے والے / والوں کی رائے

رپورٹ بھیجنے والے کے کوائف:	نام	پتہ: گاؤں / محلّہ	شہر / ضلع

انسانی حقوق کے عالمی منشور کی کس شق کی خلاف ورزی ہوئی؟	

دستخط: ....

تاریخ: ....

نوٹ: اگر تفصیلات فارم پر نہ آ سکیں تو نمبر لکھ کر سادے کاغذ پر تفصیل درج کریں

☆ تمام ساتھی جو انسانی حقوق کے حوالے سے رپورٹیں بھیجتے ہیں آئندہ اس فارم کی فوٹو کاپی پر کوائف درج کر کے بھیجیں

فہرست

پریس ریلیز 03

تشدد کا خاتمہ، قانون میں فوری اصلاحات 04

پسِ پردہ: پاکستان کے نظامِ انصاف
میں بدعنوانی کے خطرات کا جائزہ 05

وادی تیراہ میں بدامنی 08

میں بلوچستان میں تعینات رہا ہوں۔ وقت آ گیا ہے
کہ ہم اپنی ناکامیوں کا اعتراف کریں 13

عقیلہ ناز: کسانوں کی جدوجہد کی ایک نڈر،
انقلابی اور باوقار رہنما 14

غلبے کا کلچر اور ریپ 15

یورپین یونین کی پاکستان بارے
حالیہ جائزہ رپورٹ 17

مکالمہ: ٹرانس جینڈر افراد کو سمجھنے کی ایک کوشش 18

کشمیر احتجاج میں ہوئی ہلاکتوں
کی غیر جانبدارانہ تحقیقات کا مطالبہ 19

ماہ رنگ بلوچ کی سزا انصاف کا کھلا مذاق،
یو این انسانی حقوق ماہرین 21

بچوں کے حقوق پر بیشتر ایشیائی کاروباروں
کے قول وفعل میں تضاد، یونیسف 22

تشدد کے خلاف قانون کے باوجود تشدد کا سلسلہ جاری: ایچ آر سی پی کا بلاامتیاز جوابدہی کا مطالبہ

پاکستان میں 2022 کے تشدد کے خلاف قانون کی منظوری کے باوجود، ناقص عمل درآمد، غیر مؤثر تحفظات اور جوابدہی کے فقدان کے باعث تشدد اور دیگر ظالمانہ، غیر انسانی یا توہین آمیز سلوک کا سلسلہ مسلسل جاری ہے۔ اس امر کا اظہار پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق نے اپنی تشدد کے خلاف مہم کے سلسلے میں منعقد ہونے والے ایک گول میز اجلاس کے دوران کیا۔

یورپی یونین کے تعاون سے منعقد ہونے والے اس مشاورتی اجلاس میں قانونی ماہرین، حکومتی نمائندوں اور سول سوسائٹی کے ارکان نے شرکت کی تاکہ ٹارچر اینڈ کسٹوڈیل ڈیتھ (پریوینشن اینڈ پنشمنٹ) ایکٹ 2022 کے نفاذ میں حائل رکاوٹوں کی نشاندہی کی جا سکے اور تشدد کے خلاف قومی فریم ورک کو مضبوط بنانے کے لیے تجاویز مرتب کی جا سکیں۔

ایچ آر سی پی کونسل کی رکن اور سابق چیئر پرسن حنا جیلانی نے کہا کہ دیگر ظالمانہ، غیر انسانی یا توہین آمیز سلوک اور سزا— بشمول نفسیاتی تشدد— کا تدارک بھی اتنا ہی اہم ہے، کیونکہ اس کے اثرات جسمانی تشدد کی طرح شدید اور دیرپا ہو سکتے ہیں۔ انہوں نے واضح کیا کہ جب تک قانون نافذ کرنے والے اداروں کے لیے تشدد اور ناروا سلوک کے واقعات کی نشاندہی، تحقیقات، دستاویز سازی اور کارروائی کے حوالے سے واضح طریقہ کار اور عملی رہنمائی موجود نہیں ہوگی، اس وقت تک قانون پر مؤثر عمل درآمد ممکن نہیں۔

شرکاء نے اس بات کو بھی نوٹ کیا کہ تشدد اور ناروا سلوک کا ارتکاب صرف ریاستی اہلکار ہی نہیں کرتے، تاہم انہوں نے اس عزم کا اعادہ کیا کہ ایسی کارروائیوں کی روک تھام، متاثرین کے تحفظ اور بلاامتیاز احتساب کو یقینی بنانا ریاست کی بنیادی ذمہ داری ہے۔ اقوام متحدہ کی تشدد کے خلاف کمیٹی (CAT) کی رپورٹ کا حوالہ دیتے ہوئے وکیل اسد جمال نے نشان دہی کی کہ 2017 میں پاکستان کے پچھلے جائزے کے دوران اٹھائے گئے خدشات کو 2026 کے حالیہ جائزے میں بھی دہرایا گیا ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ تشدد کے تسلسل کا باعث بننے والے ادارتی مسائل ابھی تک حل نہیں ہو سکے۔ انہوں نے مزید کہا کہ پاکستان کو غیر قانونی حراست کی روک تھام کے لیے واضح ضوابط تشکیل دینے چاہئیں، انسانی حقوق کے اصولوں کے مطابق جیل ضوابط میں ترمیم کرنی چاہیے اور اپنے قانونی و ادارتی فریم ورک کو بین الاقوامی معیار سے ہم آہنگ کرنا چاہیے۔

وزارتِ قانون کے مشیر عثمان علی نے ایچ آر سی پی کو تشدد کے خلاف فریم ورک پر عمل درآمد کو مضبوط بنانے کے لیے سفارشات پیش کرنے کی دعوت دی۔ پی ٹی آئی کے رہنما تیمور جھگڑا نے ایچ آر سی پی کی مہم کو سراہا، تاہم انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ رویّوں میں تبدیلی لانے کے لیے سول سوسائٹی کا کردار انتہائی اہم ہے، اور تشدد کو روکنے میں ناکامی صرف قانون سازی کی کمی تک محدود نہیں ہے۔

اجلاس کے اختتام پر ایچ آر سی پی کونسل ممبر فرحت اللہ بابر نے خیبر پختونخوا میں قائم حراستی مراکز کی جانب توجہ دلائی اور کہا کہ ان مراکز کو یا تو ختم کیا جائے یا پھر انہیں آزادانہ سویلین نگرانی کے ساتھ سویلین جیل کے نظام کے تحت لایا جائے۔ انہوں نے حکومت سے اقوام متحدہ کے تشدد کے خلاف کنونشن کے اختیاری پروٹوکول (OPCAT) کی توثیق کا بھی مطالبہ کیا، تاکہ ایک قومی امتناعی نظام کے تحت تمام حراستی مراکز کے باقاعدہ اور اچانک معائنے ممکن ہو سکیں۔

[پریس ریلیز۔ اسلام آباد۔ 30 جولائی 2025]

تشدد کا خاتمہ، قانون میں فوری اصلاحات

مسئلہ

ہم، دستخط کنندگان، پاکستان کے شہری، وفاقی حکومت اور پارلیمنٹ سے مطالبہ کرتے ہیں کہ تشدد اور حراستی بدسلوکی کے خلاف ملک کے قانونی ڈھانچے کو مضبوط کیا جائے۔ ہم ریاست سے پرزور اپیل کرتے ہیں کہ:

ٹارچر اینڈ کسٹوڈیل ڈیتھ (پریوینشن اینڈ پنشمنٹ) ایکٹ 2022 میں ترمیم کی جائے تا کہ نفسیاتی تشدد کو ایک الگ جرم کے طور پر تسلیم کیا جا سکے۔

اس قانون کے تحت قائم تفتیشی نظام میں اصلاحات کی جائیں تا کہ وہ دیگر اداروں (جیسے قانون نافذ کرنے والی ایجنسیوں) سے آزاد رہے، جو ایسے مظالم میں ملوث ہو سکتے ہیں۔

تشدد کے خلاف کنونشن کے اختیاری پروٹوکول (OPCAT) کی توثیق کی جائے اور حراستی مراکز کے معائنے کے لیے ایک آزاد قومی حفاظتی طریقہ کار (NPM) تشکیل دیا جائے۔

متاثرین اور ان کے خاندانوں کے لیے نقصانات کے ازالے (معاوضے) کا ایک جامع فریم ورک قائم کیا جائے۔

پس منظر

متاثرین سے حاصل کیے گئے شواہد اور یہاں تک کہ سرکاری اعداد و شمار بھی یہ ظاہر کرتے ہیں کہ پاکستان کے فوجداری نظامِ انصاف میں تشدد وسیع پیمانے پر رائج ہو چکا ہے، جس کا استعمال روزانہ کی بنیاد پر حوالات، جیلوں اور تفتیشی کمروں میں ہوتا ہے۔ تشدد کے متاثرین کے جسمانی زخم تو بھر سکتے ہیں، لیکن نفسیاتی اثرات باقی رہ جاتے ہیں۔ یہ لوگ شدید ذہنی دباؤ (پوسٹ ٹرامیٹک اسٹریس) اور عزتِ نفس پر گہری ضرب کا شکار رہتے ہیں۔ لاپتا یا ہلاک ہونے والوں کے اہلِ خانہ انصاف کے نہ ملنے کی صورت میں اپنا دکھ ساتھ لیے پھرتے ہیں۔ پاکستان نے 2010 میں تشدد کے خلاف کنونشن کی توثیق کی تھی۔ ٹارچر اینڈ کسٹوڈیل ڈیتھ (پریوینشن اینڈ پنشمنٹ) ایکٹ 2022 کا مقصد اس عزم کو پورا کرنا تھا۔ تاہم، یہ قانون ناکافی ہے اور اس پر عمل درآمد انتہائی کمزور، جس کی وجہ سے مجرموں پر شاذونادر ہی مقدمہ چلایا جاتا ہے۔

تشدد کا خاتمہ کیوں اہم ہے؟

تشدد بنیادی طور پر ایک غیر قانونی فعل ہے۔ تاہم، اگر یہ بلا روک ٹوک جاری رہے تو یہ ایک باضابطہ عمل بن جاتا ہے۔ تفتیش کاروں کو اس کے استعمال کی باقاعدہ تربیت دی جاتی ہے، اس کی مشق کے لیے مراکز مخصوص کیے جاتے ہیں، اور تشدد کے وجود سے انکار کو ایک تسلیم شدہ پالیسی بنا دیا جاتا ہے۔ یہ قبولیت ظاہر کرتی ہے کہ ریاستی طاقت نے ان رکاوٹوں کو شدید نقصان پہنچایا ہے جو اسے اپنے اختیارات کے ناجائز استعمال سے روکتی ہیں۔

تشدد سے ہونے والے نقصان کا دائرہ براہ راست متاثرین تک محدود نہیں ہے۔ یہ زندگی اور آزادی کے تحفظ کے ذمہ دار اداروں کو کمزور کرتا ہے۔ عدالتیں تشدد کے ذریعے حاصل کیے گئے شواہد کو قبول کرتی ہیں، جس سے نظامِ انصاف کے اندر ہی بدسلوکی کو جواز مل جاتا ہے۔ شہری اور ریاست کے درمیان معاہدہ ٹوٹ جاتا ہے۔ جب تشدد معمول بن جائے تو معاشرہ سیکھتا ہے کہ ظلم جائز ہے اور طاقت کو کسی جواز کی ضرورت نہیں۔ یہ معاشرے اور مجرم دونوں کو سفاک بنا دیتا ہے۔

تشدد اندھیرے اور استثنا میں پھلتا پھولتا ہے۔ ہم اس خاموشی کو تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہیں۔

ہمارے مطالبات

نفسیاتی تشدد کو تسلیم کیا جائے: 2022 کے قانون میں ترمیم کر کے ذہنی اذیت، دھمکیوں، فرضی پھانسیوں (mock executions)، طویل قید تنہائی، اور جبر کو تشدد میں شامل کیا جائے اور اس کی مساوی سزائیں مقرر کی جائیں۔

آزادانہ تفتیش اور احتساب کو یقینی بنایا جائے: اس قانون کے تحت قائم تفتیشی نظام میں اصلاحات کی جائیں تا کہ کوئی بھی ملوث ادارہ تفتیش پر اثر انداز نہ ہو سکے۔ قومی کمیشن برائے انسانی حقوق کے حراستی مراکز کے معائنے اور مجرموں کو جوابدہ بنانے کے اختیارات کو مضبوط کیا جائے۔

OPCAT کی توثیق کی جائے: بغیر کسی تحفظات کے OPCAT کی توثیق کر کے پاکستان کے بین الاقوامی وعدوں کو پورا کیا جائے۔ آزادی سے محروم کیے جانے والے تمام مقامات کا باقاعدگی سے معائنہ کرنے اور اپنے نتائج کو عوامی سطح پر جاری کرنے کے لیے ایک آزاد قومی حفاظتی طریقہ کار (NPM) تشکیل دیا جائے۔

نقصان کے ازالے کی ضمانت دی جائے: معاوضے اور بحالی کا ایک ایسا فریم ورک تیار کیا جائے جو متاثرین اور ان کے خاندانوں کے لیے ہرجانہ، مالی امداد، نفسیاتی و طبی بحالی، اور سماجی حیثیت کی بحالی کو یقینی بنائے۔

کارروائی کی اپیل

ہم پاکستان کے شہریوں بشمول سول سوسائٹی، قانونی ماہرین اور انسانی حقوق کے دفاع کاروں سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ اس پٹیشن پر دستخط کریں اور تشدد کا شکار ہونے والے تمام افراد کے ساتھ کھڑے ہوں جو ایک ایسے قانونی نظام کے حق دار ہیں جو قانونی اور عملی طور پر ان کی تکلیف کو سنجیدگی سے لے۔

کیا آپ چاہتے ہیں کہ آپ کو جہدِ حق کی مطبوعہ کاپی بدستور ملتی رہے؟

کاغذ کے استعمال اور ماحول پر اپنے منفی اثرات میں کمی لانے کی خاطر، ہم جہدِ حق کی مطبوعہ اشاعت کی تعداد محدود کر رہے ہیں۔

اگر آپ آئندہ بھی جہدِ حق کی پرنٹ شدہ کاپی حاصل کرنا چاہتے ہیں، تو براہِ کرم 30 اگست 2026 تک
محمد الیاس کو بذریعہ ای میل m.ilyas@hrcp-web.org یا فون نمبر 0300 888 6172 پر آگاہ کریں۔

بصورتِ دیگر، آپ جہدِ حق کو آن لائن پڑھنا جاری رکھیں۔

اس کے علاوہ، آپ ہمارے واٹس ایپ چینل Jehd-e-Haq: Human Rights Commission of Pakistan کا حصہ بھی بن سکتے ہیں۔

ادارتی بورڈ، جہدِ حق

آپ کے تعاون کا تہہِ دل سے شکریہ

پسِ پردہ

پاکستان کے نظامِ انصاف میں بدعنوانی کے خطرات کا جائزہ

ملک کے ریاستی اداروں میں بڑے پیمانے اوراعلیٰ سطح کی بدعنوانی پر پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق اور انٹرنیشنل فیڈریشن فار ہیومن رائٹس کی مشترکہ رپورٹ کا مختصراحوال

خلاصہ

گزشتہ کئی برسوں کے دوران پاکستان کے جمہوری ادارے، بشمول عدلیہ، بڑھتے ہوئے خطرات سے دوچار رہے ہیں اور انہیں بتدریج کمزور کیا گیا ہے، جبکہ انتظامی شاخ (ایگزیکٹو) نے ان پر اپنا اثر و رسوخ اور کنٹرول بڑھایا ہے۔ اس عمل کے ساتھ ساتھ بنیادی آزادیوں پر شدید قدغنیں عائد کی گئی ہیں، جنہیں جابرانہ قانون سازی اور انسانی حقوق کی سنگین خلاف ورزیوں کے ذریعے ممکن بنایا گیا۔ اس تناظر میں عدلیہ کو سول سوسائٹی کے نمائندوں، انسانی حقوق کے دفاع کاروں اور اختلافِ رائے رکھنے والے افراد کو دبانے اور خاموش کرانے کے ایک آلے کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔

یہ رپورٹ ان متعدد اور باہم مربوط طریقوں کا جائزہ پیش کرتی ہے جن کے ذریعے پاکستان کے عدالتی نظام میں سرایت کر جانے والی بدعنوانی نے عدلیہ کی آزادی، اثر، منصفانہ سماعت کے حق کے تحفظ، اور دیگر بنیادی حقوق و آزادیوں کے فروغ کی صلاحیت کو متاثر کیا ہے۔

رپورٹ کے آغاز میں عدلیہ میں بدعنوانی کی موجودگی اور اس کے اسباب کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ بدعنوانی کو تین باہم مربوط عوامل تقویت دیتے ہیں: اول، عدالتی نظام کے تمام مراحل پر انصاف کا ناقص انتظام و انصرام، جس کے نتیجے میں رشوت ستانی اور دیگر بدعنوان طرزِ عمل جنم لیتے ہیں؛ دوم، ایسے سماجی و ثقافتی عوامل جو جانبداری، اقربا پروری اور پسند و ناپسند پر مبنی فیصلوں کو فروغ دیتے ہیں؛ اور سوم، عدالتی آزادی کا بتدریج خاتمہ، جس کے باعث اعلیٰ عدلیہ ریاستی اثر و رسوخ اور قبضے کا شکار ہوگئی ہے۔

اس کے بعد رپورٹ ان احتسابی نظاموں کی ناکامی کا جائزہ لیتی ہے جو بدعنوانی کی روک تھام اور اس کے تدارک کے لیے قائم کیے گئے ہیں، لیکن مؤثر احتساب اور بدعنوانی کی حوصلہ شکنی میں ناکام رہے ہیں۔ بالخصوص، رپورٹ اس بات کا تجزیہ کرتی ہے کہ احتسابی ادارے بدعنوانی کے الزامات کی مؤثر تحقیقات کرنے اور ذمہ دار افراد کو جوابدہ ٹھہرانے میں کیوں ناکام رہے؛ کس طرح ان اداروں کو سیاسی مقاصد کے لیے استعمال کیا گیا اور وہ نظام میں پائی جانے والی بدعنوانی کے خاتمے کے بجائے سیاسی انتقام کا ذریعہ بن گئے؛ نیز یہ کہ اظہارِ رائے کی آزادی پر بڑھتی ہوئی پابندیوں اور سکڑتی ہوئی شہری آزادیوں کے ماحول میں بدعنوانی کی نشاندہی کرنے والے افراد (وسل بلوورز) کو مؤثر تحفظ حاصل نہیں ہے۔

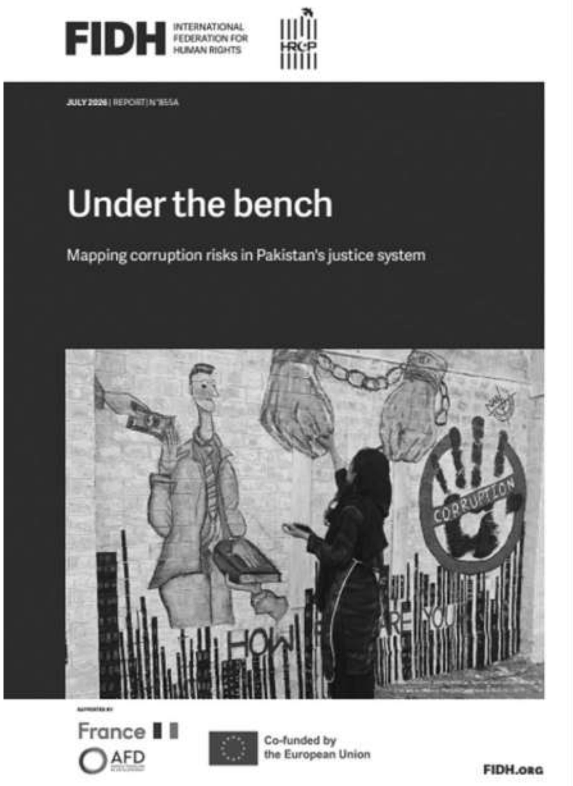

رپورٹ عدلیہ میں بدعنوانی کے انسانی حقوق پر مرتب ہونے والے اثرات کا بھی جائزہ پیش کرتی ہے۔ ان اثرات میں منصفانہ قانونی کارروائی اور قانون کے سامنے برابری کے حقوق کی خلاف ورزیاں شامل ہیں، جن کا بوجھ خاص طور پر کم آمدنی رکھنے والے طبقات اور اقلیتی برادریوں کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔ رپورٹ بدعنوانی اور تشدد کے بڑھتے ہوئے واقعات، نیز سزائے موت کے نفاذ کے درمیان تعلق کا بھی جائزہ لیتی ہے، اور قانونی پیشے اور عدلیہ کے اندر صنفی مساوات پر بدعنوانی کے منفی اثرات کو بھی واضح کرتی ہے۔

رپورٹ اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ پاکستان میں عدالتی بدعنوانی کے ایسے شواہد موجود ہیں جو نشاندہی کرتے ہیں کہ یہ منظم شکل اختیار کر چکی ہے اور یہ ممکن ہے کہ اس کی نوعیت بہت بڑے پیمانے کی بدعنوانی کے زمرے میں آتی ہو۔ آخر میں رپورٹ عدالتی بدعنوانی سے نمٹنے کے لیے متعدد سفارشات پیش کرتی ہے، جن میں نظامِ انصاف کے انتظام و انصرام کی خامیوں کا ازالہ، شفافیت میں اضافہ، بدعنوانی کے مرتکب افراد کا مؤثر احتساب، اور بدعنوانی کی نشاندہی کرنے والے افراد (وسل بلوورز) کے تحفظ کو یقینی بنانے سے متعلق اقدامات شامل ہیں۔

تعارف

سیاسی پس منظر

گزشتہ کئی برسوں کے دوران پاکستان کے جمہوری ادارے، بالخصوص عدلیہ کمزور ہوئے ہیں۔ بنیادی آزادیوں، خصوصاً نقل و حرکت کی آزادی، پرامن اجتماع کی آزادی، اظہارِ رائے کی آزادی اور انجمن سازی کی آزادی کو ریاست کی جانب سے مسلسل نشانہ بنایا گیا ہے اور ان پر سخت پابندیاں عائد کی گئی ہیں۔

انسدادِ دہشت گردی ایکٹ 1997 اور الیکٹرانک جرائم کی روک تھام ایکٹ 2016 (پیکا) جیسے جابرانہ قوانین کو ریاست کی جانب سے باقاعدگی سے انسانی حقوق کے دفاع کاروں، اپوزیشن رہنماؤں اور دیگر ناقدین کو دبانے کے لیے استعمال کیا جاتا رہا ہے۔

اسی طرح، پرامن اجتماع اور امنِ عامہ ایکٹ 2024، جو اسلام آباد کیپیٹل ٹیریٹری (آئی سی ٹی) میں عوامی اجتماعات پر پابندی عائد کرتا ہے یا انہیں محدود کرتا ہے، اپوزیشن جماعتوں کے سیاسی کارکنوں اور انسانی حقوق کے کارکنوں کو پیشگی طور پر حراست میں لینے کے لیے استعمال کیا گیا۔ امتناعی

حراست کا نشانہ بننے والوں عورت مارچ کی کارکنان اور عالمی یومِ خواتین کے موقع پر مجوزہ ریلی میں شرکت کرنے والے افراد بھی شامل تھے۔ دوسری جانب، انسانی حقوق کی سنگین خلاف ورزیوں، بشمول ماورائے عدالت ہلاکتوں اور جبری گمشدگیوں کی تشویشناک شرح کی اطلاعات مسلسل موصول ہوتی رہی ہیں۔ صرف 2025 کے دوران جبری گمشدگیوں سے متعلق تحقیقاتی کمیشن کو جبری گمشدگی کے 273 نئے کیسز موصول ہوئے۔ تاہم، یہ خدشہ موجود ہے کہ اصل تعداد اس سے کہیں زیادہ ہوسکتی ہے کیونکہ ایسے واقعات کی بڑی تعداد رپورٹ ہی نہیں ہو پاتی۔ 2024 کے دوران کم از کم تین صحافی اپنے پیشہ ورانہ فرائض کی انجام دہی کے سلسلے میں قتل کیے گئے، جبکہ 2025 میں بھی ایک صحافی اسی نوعیت کے واقعے کا نشانہ بنا۔

ان خلاف ورزیوں کو بار بار انٹرنیٹ کی بندش اور سوشل میڈیا پلیٹ فارمز پر عائد پابندیوں نے مزید سنگین بنایا۔ 17 فروری 2024 کو وزارتِ داخلہ نے ایکس (سابقہ ٹوئٹر) پر پابندی کا اعلان کیا، جو مئی 2025 تک برقرار رہی۔ 2024 کے دوران جزوی طور پر انٹرنیٹ کی بندش کے 21 واقعات ریکارڈ کیے گئے، جبکہ یہ تعداد 2022 میں چار اور 2023 میں سات تھی۔ ذرائع ابلاغ کے لیے ماحول مسلسل محدود اور دباؤ کا شکار رہا۔ صحافیوں کو باقاعدگی سے ہراسانی، نگرانی، ضابطہ جاتی جانچ پڑتال اور دھمکیوں کا سامنا کرنا پڑا، جس کے نتیجے میں خود پر عائد سنسرشپ (Self-censorship) میں اضافہ ہوا۔ انسانی حقوق کی یہ بگڑتی ہوئی صورتحال فروری 2024 میں منعقد ہونے والے عام انتخابات کے بعد مزید نمایاں ہوئی، جن میں پاکستان مسلم لیگ (ن) (پی ایم ایل این) کامیاب قرار پائی اور شہباز شریف وزیرِ اعظم منتخب ہوئے۔ تاہم، ان انتخابات کو شفافیت اور غیر جانبداری کے فقدان کے باعث وسیع پیمانے پر تنقید کا سامنا کرنا پڑا۔

انتخابات سے قبل حزبِ اختلاف امیدواروں اور کارکنوں کو انتخابی عمل سے خارج کیے جانے، من مانی گرفتاریوں، انٹرنیٹ کی بندش، اور الیکشن کمیشن پر مبینہ دباؤ کے حوالے سے بھی سنگین خدشات کا اظہار کیا گیا۔

طریق کار

اس رپورٹ کے نتائج 30 ایسے افراد جو تمام متعلقہ حالات و واقعات سے باخبر تھے (جن میں چار خواتین شامل تھیں) سے کیے گئے انٹرویوز پر مبنی ہیں۔ ان افراد میں وکلا، سابق/ریٹائرڈ جج صاحبان (جن میں پاکستان کے دو سابق چیف جسٹس، عدالتِ عظمیٰ کے سابق جج اور ایک سابق ہائی کورٹ جج شامل ہیں)، صحافی، اور سول سوسائٹی کی تنظیموں کے نمائندے شامل تھے، جنہیں زیرِ بحث موضوع سے متعلق وسیع معلومات حاصل تھیں۔

تحقیقی ٹیم نے لاہور (صوبہ پنجاب)، اسلام آباد، پشاور (صوبہ خیبر پختونخوا) اور کراچی (صوبہ سندھ) میں مقیم افراد سے انٹرویوز کیے۔ بعض شرکاء نے صوبہ بلوچستان کی صورتِ حال کے بارے میں بھی اہم معلومات فراہم کیں۔ تاہم، وسائل کی محدود دستیابی کے باعث محققین گلگت بلتستان اور آزاد کشمیر کی عدلیہ سے متعلق معلومات جمع کرنے سے قاصر رہے۔ انٹرویوز فروری اور مارچ 2026 کے دوران ایک محفوظ ویڈیو کانفرنسنگ پلیٹ فارم کے ذریعے انگریزی زبان میں کیے گئے۔ یہ انٹرویوز پاکستان میں مقیم محقق اسد جمال اور برسلز میں مقیم ایک محقق نے ایک معیاری سوالنامے کی بنیاد پر کیے، جس کا مقصد عدلیہ میں بدعنوانی کے واقعات کے حقائق اور ان کے انسانی حقوق پر مرتب ہونے والے اثرات کی نشاندہی کرنا تھا۔ اس تحقیق میں پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) کے عملے کے رکن سلمان فرخ نے بھی معاونت فراہم کی۔ تحقیق کے دوران صنفی مساوات کو یقینی بنانے اور اس بات پر خصوصی توجہ دینے کی کوشش کی گئی کہ عدالتی نظام میں خواتین کو درپیش مخصوص مشکلات اور بدعنوانی کے ان پر پڑنے والے اثرات کا جائزہ لیا جائے (۔ تاہم، عدلیہ میں خواتین کی کم نمائندگی کے باعث محققین صرف محدود تعداد میں خواتین وکلا سے انٹرویو کرسکے، جبکہ کسی خاتون جج کا انٹرویو ممکن نہ ہوسکا۔ موضوع کی حساسیت کے پیشِ نظر، بیشتر شرکاء نے اس شرط پر گفتگو کرنے پر آمادگی ظاہر کی کہ ان کی شناخت ظاہر نہیں کی جائے گی۔ چنانچہ، ان کی سلامتی اور رازداری کو مدنظر رکھتے ہوئے اس رپورٹ میں شامل تمام اقتباسات کو اصل ناموں سے منسوب نہیں کیا گیا۔

بدعنوانی کیا ہے؟

ابھی تک بدعنوانی کی کوئی ایسی جامع قانونی تعریف اختیار نہیں کی گئی جسے عالمی سطح پر متفقہ طور پر تسلیم کیا گیا ہو۔ اقوامِ متحدہ کے کنونشن برائے انسدادِ بدعنوانی میں بھی بدعنوانی کی کوئی جامع تعریف پیش نہیں کی گئی، بلکہ اس کے بجائے ان بنیادی جرائم کی نشاندہی کی گئی ہے جو بدعنوانی کے زمرے میں آتے ہیں۔ ٹرانسپیرنسی انٹرنیشنل بدعنوانی کی تعریف یوں کرتی ہے کہ اس سے مراد "سپرد کردہ اختیار کا ذاتی مفاد کے لیے ناجائز استعمال ہے"۔ اسی طرح، بڑے پیمانے کی بدعنوانی سے مراد "اعلیٰ سطح کے اختیارات کا ایسا ناجائز استعمال ہے جس سے چند افراد فائدہ اٹھاتے ہیں، جبکہ اس کی قیمت اکثریت کو چکانا پڑتی ہے، اور جس کے نتیجے میں افراد اور معاشرے کو شدید اور وسیع پیمانے پر نقصان پہنچتا ہے۔"

اس تعریف کے مطابق، بڑے پیمانے کی بدعنوانی اس وقت وقوع پذیر ہوتی ہے جب اقوامِ متحدہ کے کنونشن برائے انسدادِ بدعنوانی کے آرٹیکلز 15 تا 25 میں درج جرائم کا ارتکاب کسی اعلیٰ سرکاری عہدیدار کی جانب سے کیا جائے، اور اس کے نتیجے میں، یا اس مقصد کے تحت، سرکاری فنڈز یا وسائل کی بڑے پیمانے پر خرد برد کی جائے، یا آبادی کے ایک بڑے حصے یا کسی کمزور و غیر محفوظ گروہ کے انسانی حقوق کی سنگین خلاف ورزیاں، خواہ بالواسطہ ہی کیوں نہ ہوں، رونما ہوں۔

اسی طرح، اگرچہ بین الاقوامی قانون میں "بدعنوانی کے ذریعے ریاستی اداروں پر قبضہ" کی کوئی متفقہ تعریف موجود نہیں، تاہم انٹرنیشنل فیڈریشن فار ہیومن رائٹس نے اس کے لیے درج ذیل فریم ورک تجویز کیا ہے۔ اس کے مطابق، ریاستی اداروں پر بدعنوانی کے ذریعے قبضہ اس وقت وقوع پذیر ہوتا ہے جب درج ذیل تمام عناصر موجود ہوں:

1 رشوت ستانی، خرد برد یا بدعنوانی کے دیگر اعمال کا ارتکاب کیا جائے؛

2 یہ اعمال مختلف افراد کے درمیان خفیہ طور پر مربوط اور منظم انداز میں انجام دیے جائیں؛

3 ان اعمال کے ذریعے متعلقہ افراد کو قواعد و ضوابط اور ریاستی نظام کو اس انداز میں تشکیل دینے یا اپنے حق میں موڑنے کا فیصلہ کن اختیار حاصل ہو جائے کہ وہ نجی مفادات یا غیر قانونی مالی فوائد حاصل کرسکیں، یا مجرمانہ سرگرمیوں کو تحفظ فراہم کرسکیں؛ اور

4 ان اعمال کے نتیجے میں ریاستی ادارے، یا پوری ریاست، عوامی مفاد سے ہٹ کر مخصوص مفادات کی خدمت کرنے لگے۔

تحقیق کے دوران انٹرویوز اس انداز میں کیے گئے کہ شرکاء کو بدعنوانی کی اپنی فہم اور تعریف پیش کرنے کی مکمل آزادی حاصل ہو۔ چنانچہ، انٹرویو دینے والوں نے بدعنوانی کی مختلف صورتوں کی نشاندہی کی، جن میں معمولی یا نچلی سطح کی بدعنوانی سے لے کر بدعنوانی کے ذریعے ریاستی اداروں پر قبضے تک کی مثالیں شامل تھیں۔

نتیجہ اور سفارشات

پاکستان کے عدالتی نظام کی تمام سطحوں پر بدعنوانی کے حجم اور اس کے پھیلاؤ کا درست تعین کرنا نہایت مشکل امر ہے، خصوصاً اس لیے کہ بدعنوانی کے انفرادی واقعات کو دستاویزی شکل دینا اور ان کے ثبوت فراہم کرنا خود ایک بڑا چیلنج ہے۔

تاہم، اس رپورٹ میں پیش کیے گئے شواہد ایسے متعدد اشاریوں کی نشاندہی کرتے ہیں جو اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ پاکستان میں عدالتی بدعنوانی کی نوعیت بڑے

پیمانے اور اعلیٰ سطح کی حد تک پہنچ سکتی ہے، بالخصوص اس وجہ سے کہ اس میں اعلیٰ سطح کے بااثر عناصر کے ملوث ہونے کے شواہد موجود ہیں اور اس کے نتیجے میں انسانی حقوق پر وسیع اور سنگین منفی اثرات مرتب ہوئے ہیں۔

پاکستانی حکام کے لیے سفارشات

- عدلیہ کی آزادی کا تحفظ کیا جائے اور عدلیہ کے مؤثر احتساب کو یقینی بنایا جائے، جس میں آئین کی 26ویں اور 27ویں آئینی ترامیم کا خاتمہ بھی شامل ہو۔
- نظامِ انصاف کی انتظامی کمزوریوں کو دور کیا جائے، بالخصوص درج ذیل اقدامات کے ذریعے:

i ۔ مقدمات کی تقسیم اور سماعت کے اوقات کے تعین میں صوابدیدی اختیارات کا خاتمہ کیا جائے، اور یہ اختیار رجسٹرار اور اعلیٰ عدالتوں کے چیف جسٹس صاحبان کو واضح قواعد وضوابط کے تحت دیا جائے، تاکہ یہ طے ہو کہ کون سا مقدمہ کس بینچ کے سامنے پیش ہوگا اور اس کی سماعت مقررہ مدت کے اندر کی جائے۔

ii ۔ سرکاری عدالتی فیسوں اور اخراجات کے حوالے سے شفافیت میں اضافہ کیا جائے، تاکہ تمام فریقین مقدمہ مختلف عدالتی خدمات کے لیے مقررہ سرکاری فیسوں اور ٹیکسوں سے مکمل طور پر آگاہ ہوں۔

iii ۔ تمام عدالتی سماعتوں کے شیڈول عوام کے لیے باآسانی دستیاب کیے جائیں، بشمول آن لائن پلیٹ فارمز کے ذریعے۔

iv ۔ احتساب کو ادارہ جاتی شکل دی جائے، جس کے لیے موصول ہونے والی شکایات اور ان پر کیے گئے اقدامات سے متعلق اعداد و شمار باقاعدگی سے عوام کے سامنے جاری کیے جائیں۔

v ۔ مفادات کے تصادم سے متعلق واضح پالیسیاں وضع کی جائیں تاکہ حاضر سروس ججوں کے قریبی رشتہ داروں کو انہی عدالتی بینچوں کے سامنے پیش ہونے سے روکا جا سکے جن پر متعلقہ جج خدمات انجام دے رہے ہوں۔

- عدالتی نظام میں شفافیت کو فروغ دیا جائے، بالخصوص درج ذیل اقدامات کے ذریعے:

i ۔ عدالتِ عظمیٰ میں عوامی اہمیت کے حامل مقدمات کی سماعت براہِ راست (Livestream) نشر کی جائے۔

ii ۔ احتسابی اداروں، خصوصاً سپریم جوڈیشل کونسل (ایس جے سی) کے پاس دائر ہونے والی شکایات اور ان کی تحقیقات سے متعلق اعداد و شمار اور رجحانات باقاعدگی سے شائع کیے جائیں، خاص طور پر وہ معاملات جو عدلیہ سے متعلق ہوں۔

iii ۔ ججوں کے خلاف بدانتظامی یا بدعنوانی کے الزامات کی تحقیقات اور ان پر فیصلوں کے لیے، بشمول سپریم جوڈیشل کونسل میں، واضح اور حتمی مدت طے کی جائے۔

iv ۔ ایسی قانون سازی کی جائے جس کے ذریعے آئین میں فراہم کردہ حقِ معلومات کی ضمانت کا اطلاق عدلیہ پر بھی ہو، اور عدالتی اداروں کی شفافیت اور عوامی رسائی میں اضافہ کیا جائے۔

v ۔ عوامی آگاہی اور قانونی شعور بیدار کرنے کی مہمات چلائی جائیں تاکہ احتسابی نظام کے بارے میں عوام کی آگاہی اور اس کے مؤثر استعمال میں اضافہ ہو۔

vi ۔ احتساب کے نظام کو مضبوط بنانے کے لیے تمام سطحوں کے ججوں کے اثاثہ جات کے گوشواروں کی اشاعت کو لازمی قرار دیا جائے، جیسا کہ سرکاری ملازمین کے لیے موجودہ قانونی تقاضوں کے مطابق کیا جاتا ہے۔

- عدلیہ کے اندر بدعنوانی کے معاملات میں مؤثر احتساب کو یقینی بنایا جائے، جس میں عدالتی عہدے داروں کے خلاف بدعنوانی کے الزامات کی تحقیقات اور قانونی کارروائی کو ترجیح دی جائے۔
- بدعنوانی کی نشاندہی کرنے والے افراد (Whistleblowers) کے تحفظ کو یقینی بنایا جائے، بالخصوص درج ذیل اقدامات کے ذریعے:

i۔ بین الاقوامی طور پر تسلیم شدہ اصولوں سے ہم آہنگ ایک وفاقی وسل بلوور تحفظ قانون نافذ کیا جائے، جس کا اطلاق تمام صوبوں پر ہو اور جو بدعنوانی کی اطلاع دینے والے تمام افراد کو جامع قانونی تحفظ فراہم کرے۔

ii۔ ایسے قوانین کو منسوخ کیا جائے جو اظہارِ رائے کی آزادی اور آزادیِ صحافت کو جرم قرار دیتے ہیں، جن میں الیکٹرانک جرائم کی روک تھام ایکٹ (پیکا) اور ہتکِ عزت سے متعلق قوانین شامل ہیں۔

iii۔ ایسی قانون سازی کی جائے جو اس امر کو یقینی بنائے کہ عوامی شرکت کے خلاف مقدمات کو انسانی حقوق کے دفاع کاروں اور بدعنوانی کی نشاندہی کرنے والے دیگر افراد کے خلاف بطور ہتھیار استعمال نہ کیا جا سکے۔ اس مقصد کے لیے عدالتوں کو یہ اختیار دیا جائے کہ وہ بے بنیاد مقدمات کو ابتدائی مرحلے ہی میں خارج کر سکیں اور مقدمے کے اخراجات مدعی پر عائد کریں۔

- بدعنوانی سے متاثرہ افراد کو مؤثر دادرسی فراہم کی جائے، جیسا کہ اقوام متحدہ کے "حقِ دادرسی اور ازالہ سے متعلق بنیادی اصول و رہنما خطوط میں بیان کیا گیا ہے۔ اس میں متاثرہ افراد کو بحالیِ نو، مالی معاوضہ اطمینان و تسکین، اور دوبارہ خلاف ورزیوں کے وقوع پذیر نہ ہونے کی ضمانتیں فراہم کرنا شامل ہے۔

ایسی قانون سازی متعارف کروائی جائے جس کے ذریعے:

الف۔ سول اور فوجی انٹیلی جنس اداروں کے کام کرنے کے طریقہ کار کو باضابطہ بنایا جائے؛ اور

ب۔ انٹیلی جنس اداروں کو انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کے لیے جوابدہ ٹھہرایا جائے، بشمول ایسی خلاف ورزیاں جو منصفانہ سماعت کی ضمانتوں اور قانونی طریقہ کار کے حق پر منفی اثرات مرتب کرتی ہیں۔

یورپی یونین کے لیے سفارشات

- پاکستان کی جانب سے بدعنوانی سے متعلق جی ایس پی پلس شکایات کی تکمیل کی نگرانی کے دائرہ کار کو وسیع کیا جائے تاکہ عدلیہ میں بدعنوانی اور بدعنوانی و انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کے درمیان تعلق کو بھی شامل کیا جا سکے۔

بین الاقوامی مالیاتی اداروں کے لیے سفارشات

- آئی ایم ایف (آئی ایم ایف) کی جانب سے شائع کردہ حکمرانی اور بدعنوانی کی تشخیصی رپورٹ میں عدلیہ میں موجود منظم بدعنوانی سے نمٹنے کے لیے جامع سفارشات شامل کی جائیں، تاکہ پاکستان کے لیے توسیعی فنڈ سہولت پروگرام کے تحت مستقبل میں عملے کی سطح کے معاہدوں میں ساختی اہداف اور پروگرام سے متعلق شرائط وضع کی جا سکیں۔

سول سوسائٹی اور عطیہ دہندگان کے لیے سفارشات

- بدعنوانی کے نتیجے میں ہونے والی یا بدعنوان ماحول کے باعث ممکن بننے والی انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کی دستاویز سازی میں اضافہ کیا جائے، اور ان نتائج کو اقوام متحدہ کے خصوصی طریق کار، معاہدات پر عملدرآمد کی نگرانی کرنے والے اداروں اور سلسلہ وار عالمی جائزوں (یو پی آر) کے لیے پیش کی جانے والی رپورٹس میں شامل کیا جائے۔
- بدعنوانی کے ذمہ دار افراد کو جوابدہ ٹھہرانے اور اثاثوں کی واپسی کے لیے قانونی کارروائیوں اور عدالتی کوششوں کو انجام دیا جائے اور ان کی مالی معاونت کی جائے۔
- بدعنوانی کی نشاندہی کرنے والے افراد (Whistleblowers) کے لیے قانونی معاونت کے پروگراموں کی مالی مدد کی جائے۔

(پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق اور انٹرنیشنل فیڈریشن فار ہیومن رائٹس کی مشترکہ تحقیقی رپورٹ، ''پسِ پردہ: پاکستان کے نظامِ انصاف میں بدعنوانی کے خطرات کا جائزہ'' سے ماخوذ)

وادی تیراہ میں بدامنی

شہری ہلاکتیں اور دوسری بار بڑے پیمانے پر نقل مکانی سے انسانی بحران

اسلام گل آفریدی

قیوم خان، وادی تیراہ کے بھوٹان شریف کے رہائشی، اس وقت باڑہ کے علاقے شکنو میں ایک کمرے اور برآمدے میں اپنی بیوی اور آٹھ بچوں کے ساتھ رہ رہے ہیں۔ تیراہ میں اُن کا اپنا گھر اور کاروبار تھا، مگر یہاں پانی، جلانے کے لیے لکڑی اور مناسب رہائش جیسی بنیادی سہولیات بھی میسر نہیں۔ اُنہوں نے بتایا کہ نقل مکانی کے دوران شدید سردی نے ہمارے مشکلات میں اضافہ کیا۔ آٹھ جنوری کو ایک گھنٹے کا سفر پانچ گھنٹوں میں طے کیا، جبکہ دو تو ئی میں ٹوکن کے حصول کے لیے چھ گھنٹے انتظار کرنا پڑا۔

" اسی دوران میری چار ماہ کی بیٹی مروا کی طبیعت بگڑ گئی۔ ہم بغیر رجسٹریشن کے صبح تین بجے باڑہ میں اپنے رشتہ داروں ہاں پہنچ گئے جبکہ علاج کے لے صبح سویرے حیات آباد میڈیکل کمپلیکس پہنچے تو وہاں چند گھنٹوں ہی اُن کی موت ہوگئی۔ ڈاکٹروں نے کہا کہ بچی کو نمونیا ہوا تھا تا ہم تیراہ میں گھر سے نکلتے وقت وہ بالکل ٹھیک تھی۔ مرواہ کی قبر کے علاوہ ہمارے پاس اور کوئی نشانی نہیں"

تیراہ میں بدامنی اور ممکنہ فوجی کارروائی کے خدشے کے باعث قیوم خان جیسے کئی خاندان بے گھر ہو چکے ہیں۔ ساٹھ سالہ عبدالحمید، ملک دین خیل قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں، باڑہ کے حصارہ میں ایک برساتی نالے کے کنارے پر غاروں میں اپنے خاندان اور مویشیوں کے ساتھ رہ رہے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ کرایہ ادا کرنے کی استطاعت نہ ہونے کے باعث یہ مشکل زندگی اختیار کرنا پڑی۔

" یہاں نہ پینے کا پانی ہے، نہ واش روم، نہ محفوظ رہائش ہے، بارش میں ہر وقت غار گرنے کا خوف رہتا ہے۔ تیراہ میں اپنا مکان اور کاروبار تھا لیکن یہاں پر کچھ نہیں۔ نقل مکانی کے اخراجات کی ادائیگی بھی تا حال حکومت کی جانب سے نہیں کیا گیا ہے"۔

مقامی افراد کے مطابق، تیراہ میں کرفیو، گولہ باری، مسلح گروہوں اور سیکیورٹی فورسز کے درمیان جھڑپوں کی وجہ سے حالات اس نہج پر پہنچ گئے کہ لوگوں کے لیے وہاں رہنا ممکن نہیں رہا۔ ضلع خیبر کے ضلعی حکام کے مطابق وادی تیراہ سے نقل مکانی دس نومبر 2025 کو شروع ہوئی۔ اگر چہ عمائدین کی 24 رکنی کمیٹی کے ساتھ معاہدے کے تحت انخلاء کی تاریخ 10 جنوری 2026 مقرر تھی، تاہم خوف اور بڑھتے ہوئے خدشات کے باعث 5 جنوری سے ہی لوگ پائینده چینہ رجسٹریشن مرکز پہنچنا شروع ہو گئے۔ منصوبے کے مطابق انخلاء 25 جنوری تک مکمل ہونا تھا، مگر سخت موسم اور ناقص انتظامات کے باعث یہ عمل مختلف مراحل میں 10 مارچ تک جاری رہا، جبکہ آکاخیل قبیلے کی رجسٹریشن تا حال مکمل نہیں ہوسکی۔

ادھر تحریک متاثرین تیراہ نے بے گھر افراد کے مسائل کے حل کے لیے 6 فروری سے باڑہ پریس کلب کے سامنے احتجاجی کیمپ قائم کر رکھا ہے۔ تحریک کے ترجمان صحبت آفریدی کے مطابق مقامی لوگوں کو مسلح گروہوں کے خلاف

> **تیراہ میں بدامنی اور ممکنہ فوجی کارروائی کے خدشے کے باعث قیوم خان جیسے کئی خاندان بے گھر ہو چکے ہیں۔ ساٹھ سالہ عبدالحمید، ملک دین خیل قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں، باڑہ کے حصارہ میں ایک برساتی نالے کے کنارے پر غاروں میں اپنے خاندان اور مویشیوں کے ساتھ رہ رہے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ کرایہ ادا کرنے کی استطاعت نہ ہونے کے باعث یہ مشکل زندگی اختیار کرنا پڑی۔**

لشکر بنانے یا نقل مکانی کر کے فوجی آپریشن کرنے کا کہا گیا تاہم کافی عرصے سے لوگ ان دونوں میں سے ایک کو بھی ماننے کے لئے تیار نہیں تھے۔ اُن کے بقول بدامنی میں اضافے کے سبب بالآخر انہیں ہجرت کرنا پڑی۔ ان کے بقول، ناقص منصوبہ بندی کے باعث رجسٹریشن کا عمل تاخیر کا شکار ہے جبکہ بعض افراد کو امدادی رقوم بار ہا مل چکی ہیں۔

پی ڈی ایم اے کے ڈپٹی ڈائریکٹر محمد فواد کے مطابق ابتدائی طور پر نقل مکانی کا تخمینہ 1500 سے 2000 خاندان لگایا گیا، جو بعد میں بڑھ کر 33833 خاندانوں تک جا پہنچا۔ اس میں اب تک 15 ہزار زیادہ خاندانوں کے ضلعی حکام کی تصدیق کے بعد 2 لاکھ 40 ہزار روپے سم کارڈ پر منتقل کیے جاچکے ہیں۔ کچھ خاندانوں کو ماہانہ اخراجات کی مد میں 35 ہزار روپے بھی بھیج دیے گئے ہیں جبکہ واپسی پر ایک خاندان کو 25 ہزار روپے دیے جائیں گے۔

" دیگر اخراجات جیسے ٹرانسپورٹ، خوراک اور ادویات کی ذمہ داری ضلعی انتظامیہ کے پاس تھی۔ صوبائی حکومت نے اب تک 6 ارب روپے سے زیادہ فنڈ جاری کر دیا ہے جو مکمل خرچ ہو چکا ہے، جبکہ مزید فنڈز کے لئے کہا گیا ہے اگر بے گھر افراد کا قیام دو ماہ سے زیادہ بڑھتا ہے تو اضافی فنڈز درکار ہوں گے، تاہم اس حوالے سے تا حال کوئی حتمی فیصلہ نہیں ہوا"۔

خواتین کے حقوق کے لئے کام کرنے والی سماجی کارکن رخشندہ ناز اُن بے گھر خاندانوں کے ساتھ ضلع کیبر میں ملیں جو وادی تیراہ سے نقل مکانی کے بعد خیموں یا غاروں میں مقیم ہیں۔ اُنہوں نے کہا کہ بے گھر لوگ جہاں قیام پذیر ہیں وہاں خواتین کے لئے واش روم کی سہولت نہیں تھی جبکہ دور دراز مقامات سے گھر کے استعمال کے لئے پانی اور جلانے کیلئے لکڑی لاتے ہیں اور غیر آباد علاقوں میں پلاسٹک کی شیڈ یا خیمہ لگا کر رہائش پذیر ہیں۔

" صوبائی اور وفاقی سطح پر اندرون ملک بے گھر لوگوں کے حقوق کے لئے کوئی پالیسی نہیں ہے کہ اگر آپ آبادی کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کر رہے ہیں تو اُن کے کونسے حقوق ہوں گے جن کو تحفظ دینا چاہیے"۔

خیبر پختونخوا میں پہلی بار نقل مکانی میں بے گھر لوگوں کی مدد کے لئے فلاحی اداروں کو کام کی اجازت نہیں دی گئی۔ رخشندہ ناز کے مطابق صوبائی محکمہ ریلیف کے طرف سے کہا گیا کہ اجازت نامے یا این او سی کے بغیر فلاحی سرگرمی کے اجازت نہیں جبکہ رمضان پیکج کی تقسیم کے حوالے سے ڈپٹی کمشنر کی طرف سے سختی سے منع کیا گیا تھا۔

" ملکی اور بین الاقوامی فلاحی ادارے آفت سے متاثرہ لوگوں کی مدد کے لے حکومت کے ساتھ صحت، پانی، خوارک، بچوں کے تعلیم اور دیگر کاموں کو آسان کرنے میں مددگار ثابت ہوتے تاہم وادی تیراہ سے بیدخل لوگوں کی مدد کے لئے اب تک کسی بھی امدادی ادارے کو کام کی اجازت نہیں دی گئی جس کی وجہ سے لوگوں کے مسائل کافی زیادہ دیکھنے کو ملے"۔ اس حوالے سے پی ڈی ایم اے کے حکام نے موقف اپنایا کہ صوبائی حکومت نے فیصلہ کرلیا تھا کہ بے گھر لوگوں کو تمام تر سہولیات صوبائی فنڈ سے مہیا کی جائیں گی اور کسی امدادی ادارے کی مدد نہیں لی جائے گی۔ ادارے کی مطابق ابھی کچھ امدادی اداروں نے متاثرین کی مدد کے لیے رابطے شروع کردیے ہیں۔

بے گھر خاندانوں کے اندراج کے مسائل

باڑہ بازار سے تقریباً 60 کلومیٹر دور پائینده چینہ میں

رجسٹریشن مرکز قائم تھا، جبکہ تیراہ سے آنے والے خاندانوں کو پہلے دوتوئی چیک پوسٹ سے ٹوکن لینا پڑتا تھا۔ 24 رکنی کمیٹی اور ضلعی حکام کی تصدیق کے بعد متاثرین گھر کے سامان سمیت مرکز پہنچتے، جہاں نادرا اور پولیو فہرست کی جانچ پڑتال کے بعد اندراج مکمل ہوتا۔ یہ عمل طویل اور پیچیدہ ہونے کی وجہ سے لوگوں کو طویل انتظار کرنا پڑتا تھا۔

برقمبر خیل کے رہائشی زبیر خان کے مطابق انہوں نے 8 جنوری کو اہل خانہ اور مویشیوں کے ساتھ سردی میں بغیر کسی سہولت کے رات گاڑی میں گزاری۔ صبح مرکز پہنچنے کے باوجود احتجاج کے باعث کئی گھنٹے انتظار کے باوجود رجسٹریشن شروع نہ ہونا ایک معمول بن چکا تھا۔

ضلع حکام نے بتایا کہ پائیندہ چینہ مرکز پر حکومتی حامی مقامی مسلح گروہ توحید اسلام کے زیر کنٹرول علاقے میں ہونے کے باعث اندراج کے عمل میں مداخلت اور عملے کو ہراساں کیے جانے کے واقعات بھی پیش آئے۔

شدید برف باری اور رش کی وجہ سے راستوں کی بندش اور اندراج کے عمل میں سست روی کی بناء پر نقل مکانی کے دوران کئی حادثات رونماء ہوئے۔ 7 جنوری کو نری بابا کے قریب ایک ٹرک حادثے میں محمد شاہ اور ان کے دو بیٹے جاں بحق جبکہ ایک بھائی انس خان زخمی ہوا۔ محمد شاہ کے والد اول بادشاہ نے بتایا کہ محمد شاہ کے چھ بچے اور بیوہ کفالت کے واحد سہارے سے محروم ہو گئے ہیں۔

"اب تک حکومت کی جانب سے شہداء اور زخمی افراد کا پیکج نہیں دیا گیا جبکہ دوسری جانب گھر میں یتیم نواسے فاقوں پر مجبور ہیں۔ اُنہوں نے کہا کہ اگر یہ دوسری بار نقل مکانی نہ ہوتی تو شاید میرے خاندان کے اتنے افراد مجھ سے ہمیشہ کے لیے جدا نہ ہوتے"۔

تحریک متاثرین تیراہ کے مطابق سردی اور ٹریفک حادثات میں اب تک 19 افراد جاں بحق اور 56 زخمی ہو چکے ہیں۔

خاندانوں کے اندراج کے معاملے پر مقامی سیاسی قیادت اور 24 رکنی کمیٹی کے درمیان شدید اختلافات سامنے آئے، اور تاحال کوئی متفقہ لائحہ عمل طے نہیں ہوسکا۔

عوامی نیشنل پارٹی کے صدر عبدالرازق آفریدی کے مطابق تحصیل باڑہ کے تمام آفریدی قبائل کا متاثرین میں اندراج کیا جانا چاہیے، کیونکہ تیراہ کی صورتحال سے پورا ضلع متاثر ہوا ہے۔ ان کے بقول، "جس کی تیراہ میں جائیداد ہے، اسے شناختی کارڈ کی بنیاد پر رجسٹرڈ کیا جائے"۔

تاہم جمعیت علماء اسلام (ف) کے رہنما اور 24 رکنی کمیٹی کے رکن غزت اللہ ہم خیال اس مؤقف سے اختلاف رکھتے ہیں۔ ان کے مطابق رجسٹریشن اور مالی امداد صرف اُن خاندانوں کے لیے ہونی چاہیے جو واقعی نقل مکانی پر مجبور ہوئے، جبکہ مالی معاونت کے حصول کے لیے دیگر علاقوں سے آفریدی قبیلے کے لوگوں کی بڑی تعداد آنے سے مسائل میں کئی گنا اضافہ دیکھا گیا۔ اُنہوں نے کہا کہ "یہ مالی معاونت نقل مکانی اور دیگر حصوں میں ہونے والے مالی نقصان کے ازالے کے لیے باقاعدہ طریقہ کار بنایا گیا ہے"۔

پی ڈی ایم اے کے مطابق اندراج میں مسائل کی بڑی وجہ ناقص منصوبہ بندی اور غیر ڈیجیٹل نظام تھا۔ ضلعی حکام نے ٹوکن، کھانا، طبی امداد، پولیس کے ٹرانسپورٹ اور کھانے کے ساتھ بے گھر خاندانوں کو گاڑیوں کی کرائے کی ادائیگی کا نظام خود سنبھالا، جس سے بے ضابطگیاں بڑھیں، جبکہ شناختی کارڈ میں تیراہ کی بجائے دیگر علاقوں میں رہائش پزیر آفریدی قبائل کی بڑی تعداد کے اندراج اور مالی معاونت کے حصول نے اصل متاثرین کے مسائل میں اضافہ کیا۔

وادی تیراہ میں مقامی لوگوں کے آمدن کا بڑا ذریعہ بھنگ کی کاشت ہے، جو ابتک غیر قانونی ہے تاہم علاقے میں چھوٹے بڑے تجارتی مراکز میں بھی موجود ہے۔ 10 نومبر 2025 سے شروع ہونے والی نقل مکانی نے تاجروں کو شدید متاثر کیا۔ صدر تیراہ انصاف تاجر یونین لرباغ کے مطابق انخلاء کے دوران نہ ٹرانسپورٹ میسر تھی اور نہ بنیادی سہولیات، جس کے باعث سامان کی منتقلی میں بھاری نقصان ہوا، جبکہ باڑہ اور پشاور میں کھلے آسمان تلے رکھنے سے بارشوں نے مزید تباہی پھیلائی۔

رخشندہ ناز کے مطابق رجسٹریشن مراکز پر خواتین، بزرگ، خصوصی افراد اور اقلیتوں کے لیے سہولیات نہ ہونے کے برابر تھیں۔ "خواتین کو خوراک، انتظار گاہ، طبی امداد اور واش روم جیسی بنیادی سہولیات بھی میسر نہیں تھیں، جبکہ خواتین کے شناختی کارڈ نہ ہونا، بیواؤں اور غیر شادی شدہ خواتین کے مسائل کئی گنا زیادہ دیکھے گئے"۔

اگرچہ تصدیق کے لیے پولیو کے ڈیٹا، عمائدین اور کمیٹی کو شامل کیا گیا، لیکن شکایات برقرار رہیں۔ پی ڈی ایم اے کے مطابق، پائیندہ چینہ مرکز کا قیام آسان رجسٹریشن کے لیے تھا، مگر دور دراز مقام، انٹرنیٹ و بجلی کی کمی، شدید سردی اور ناقص انتظامات نے عمل کو مشکل بنا دیا۔ ادارے کا کہنا ہے کہ شدید موسم میں نقل مکانی سے منع کیا گیا تھا، لیکن اس ہدایت پر عمل درآمد نہ ہونے کے باعث کئی خاندان مشکلات کا شکار ہوئے۔

تحریک متاثرین کے ترجمان صحبت خان آفریدی کے مطابق، نقل مکانی کے عمل کے دوران شدید سردی اور ٹریفک کے حادثات میں 19 افراد ہلاک جبکہ 56 زخمی ہو چکے ہیں۔ اُن کے بقول، چھ گاڑیاں گہری کھائی میں گرنے یا جلنے کے واقعات رونما ہوئے۔

تیراہ کی آبادی کتنی ہے

نقل مکانی کے دوران سب سے بڑا مسئلہ آبادی کی درست اعداد و شمار دستیاب نہ ہونے کے باعث پیدا ہوا۔ ضلعی حکام کے مطابق، تیراہ میں تقریباً 19100 خاندان موجود تھے، تاہم چوبیس رکنی کمیٹی کے رکن صحبت خان آفریدی کے مطابق یہ اندازے درست نہیں تھے۔ ان کے بقول 2013 میں واپسی کے دوران 76000 خاندان رجسٹرڈ کیے گئے تھے۔

عالمی ادارہ برائے مہاجرین کی 1 مئی 2013 کی رپورٹ کے مطابق تیراہ میں 23 مارچ 2013 سے شروع ہونے والی بدامنی اور فوجی آپریشن کے نتیجے میں نقل مکانی ہوئی، جس میں 404,11 خاندان (194,55 افراد) رجسٹرڈ ہوئے۔ بعد ازاں امن قائم ہونے پر دسمبر 2014 میں واپسی کا عمل شروع ہوا۔

پی ڈی ایم اے کے مطابق 2009 سے 2013 کے دوران ضلع خیبر سے مجموعی طور پر 94000 بے گھر خاندان رجسٹرڈ کیے گئے۔ چھٹی مردم شماری کے مطابق ضلع خیبر کی آبادی 1146400 جبکہ وادی تیراہ کی آبادی تقریباً 100400 افراد پر مشتمل ہے۔ محکمہ صحت اور پولیو ڈیٹا کے مطابق وادی سے انخلاء کے عمل شروع ہونے سے پہلے تقریباً 24890 خاندان مقیم ہیں۔

انخلاء میں تاجر برادری کے مسائل

وادی تیراہ میں مقامی لوگوں کی آمدن کا بڑا ذریعہ بھنگ کی کاشت ہے، جو ابتک غیر قانونی ہے تاہم علاقے میں چھوٹے بڑے تجارتی مراکز بھی موجود ہیں۔ 10 نومبر 2025 سے شروع ہونے والی نقل مکانی نے تاجروں کو شدید متاثر کیا۔ صدر تیراہ انصاف تاجر یونین لرباغ کے مطابق، انخلاء کے دوران نہ ٹرانسپورٹ میسر تھی اور نہ بنیادی سہولیات، جس کے باعث سامان کی منتقلی میں بھاری نقصان ہوا، جبکہ باڑہ اور پشاور میں ساز و سامان کھلے آسمان تلے رکھنے سے بارشوں نے مزید تباہی پھیلائی۔ اُنہوں نے کہا کہ "صوبائی حکومت کی جانب سے صرف 85 گاڑیاں جن میں 6 ٹرک شامل تھے فراہم کی گئیں، جبکہ صرف لرباغ بازار کے لیے 700 گاڑیوں کی ضرورت تھی۔ وادی میں مجموعی طور پر، لرباغ

میں 1300، برباغ میں 800، پیرمیلہ میں 900، آدم خیل میں 300، شلوبر ورسک میں 100، کمرخیل شنگڑ میں 50، نوئی باغ دولت خیل میں 50 اور دوردراز دیہات میں تقریباً 400 دکانیں موجود تھیں، جن سے تقریباً 8 ہزار افراد کی کمائی وابستہ تھی جس میں 10 اقلیتی اور 80 سے زائد خواتین بھی شامل تھیں"۔

روایتی ہفتہ وار منڈیاں جمعہ کو لرباغ، اتوار کو برباغ میں جبکہ پیر کے دن پیر میلہ بھی لگتا تھا جن میں دیگر علاقوں سے بھی لوگ تجارت کے لئے آتے تھے۔ تیراہ تاجر یونین کے مطابق، 200 سے زائد تاجر بے گھر خاندانوں کے اندراج سے محروم رہے، جبکہ صرف 10 فیصد تاجروں نے دیگر علاقوں میں محدود پیمانے پر کاروبار بحال کیا۔

نقل مکانی کے بعد بھی صورتحال بہتر نہ ہوسکی۔ یونین کے مطابق، تقریباً اسی فیصد دکانوں میں سامان اور دس فیصد میں الماریاں رہ گئیں، جبکہ لوٹ مار، تالے توڑنے اور سڑکوں کی تعمیر کے دوران کم از کم دس دکانیں مسمار ہوئیں اور مزید خطرے میں ہیں۔ تاجروں کو چوبیس رکنی کمیٹی میں نمائندگی نہ ملنے اور کسی واضح مالی پیکج کے فقدان پر بھی تحفظات ہیں۔

تاجر برادری کے مطالبات میں چھ سو گاڑیوں کے کرایوں کی ادائیگی، نقصانات کا معاوضہ، الگ مالی پیکج، بلاسود قرضے، دکانوں کا تحفظ، اور خواتین، اقلیتوں و غیر مقامی تاجروں کو امداد میں شامل کرنا شامل ہیں۔ وزیر اعلیٰ سے ملاقات میں صرف خواتین تاجروں کی معاونت کی یقین دہانی کرائی گئی ہے۔

بدامنی کے تعلیمی شعبے پر اثرات

محمد عثمان وادی تیراہ کے ورسک کے سرکاری ہائی سکول میں جماعت نہم کا طالب علم ہے۔ 13 نومبر 2025 کو گاؤں میں دوست کی شادی تقریب میں دیگر دوستوں کے ساتھ ڈرون حملے میں زخمی ہوا، جس میں اس کا بایاں ہاتھ ضائع ہو گیا۔ اب وہ نقل مکانی کے بعد بورڈ کا امتحان دے رہا ہے، مگر ادھوری پڑھائی اور ذہنی دباؤ اس کے بڑے مسائل ہیں۔ اُن کے مطابق، مسلسل فائرنگ اور گولہ باری کے باعث سکولوں میں حاضری نہ ہونے کے برابر تھی، عمارتوں کو نقصان پہنچا اور اساتذہ بھی غیر حاضر رہے، جس سے تعلیمی سلسلہ تقریباً معطل ہو گیا۔

جنگ زدہ علاقے کے طلباء وطالبات کے لیے بورڈ آف ایلیمنٹری اینڈ سیکنڈری ایجوکشن پشاور کے جانب سے کوئی مخصوص انتظام نہیں کیا گیا ہے جبکہ ادارے نے اس سلسلے میں اقدامات کے لیے صوبائی کابینہ کا فیصلہ نہ ہونے اور محکمہ تعلیم کی جانب سے اس سلسلے میں کوئی رپورٹ جمع نہ ہونا اس مسئلے کی وجہ قرار دیا۔

محکمہ تعلیم خیبر کے مطابق، متاثرہ علاقوں میں 16 سرکاری بوائز سکولوں میں 3300 طلبہ، جبکہ 5 گرلز سکولوں میں 400 طالبات زیر تعلیم تھیں۔ نجی شعبے میں 10 ہائی سکولوں میں 5000 طلبہ، 7 مڈل سکولوں میں 3000 طلبہ اور 600 طالبات، جبکہ 2 پرائمری سکولوں میں 600 طلبہ اور 300 طالبات زیر تعلیم تھیں۔ مجموعی طور پر 13000 سے زائد طلبہ متاثر ہوئے۔

محکمہ کے مطابق، اب تک 1600 طلبہ وطالبات کو باڑہ کے سرکاری سکولوں میں داخل کیا گیا ہے، جبکہ مزید داخلوں کے لیے مہم جاری ہے۔ 31 مارچ سے شروع ہونے والے جماعت نہم و دہم کے امتحانات میں تیراہ کے 500 طلبہ اور 60 طالبات شریک ہو رہے ہیں۔

وادی تیراہ میں مقامی لوگوں کے آمدن کا بڑا ذریعہ بھنگ کی کاشت ہے، جو اب تک غیر قانونی ہے تاہم علاقے میں چھوٹے بڑے تجارتی مراکز میں بھی موجود ہے۔ 10 نومبر 2025 سے شروع ہونے والی نقل مکانی نے تاجروں کو شدید متاثر کیا۔ صدر تیراہ انصاف تاجر یونین لرباغ کے مطابق انخلاء کے دوران نہ ٹرانسپورٹ میسر تھی اور نہ بنیادی سہولیات، جس کے باعث سامان کی منتقلی میں بھاری نقصان ہوا، جبکہ باڑہ اور پشاور میں کھلے آسمان تلے رکھنے سے بارشوں نے مزید تباہی پھیلائی۔

وادی تیراہ میں بدامنی دوبارہ کیسے شروع ہوئی

اگست 2021 کو افغان طالبان کے اقتدار میں آنے کے بعد پاکستان اور افغانستان کے تعلقات میں بہتری آئی اور اسی تناظر میں 2021 کے آخر میں افغان طالبان کی ثالثی سے کالعدم تحریک طالبان پاکستان (ٹی ٹی پی) کے ساتھ مذاکرات شروع ہوئے۔ اس عمل کی نگرانی اس وقت کے ڈی جی آئی ایس آئی فیض حمید جبکہ ٹی ٹی پی کی نمائندگی نور ولی محسود کر رہے تھے۔ مذاکرات کابل اور خوست میں ہوئے، جن میں پاکستان نے غیر مسلح ہونے اور آئین تسلیم کرنے کا مطالبہ جبکہ ٹی ٹی پی نے قیدیوں کی رہائی، قبائلی اضلاع سے فوجی انخلاء اور فاٹا انضمام کی واپسی کی شرائط رکھیں۔ نتیجتاً نومبر 2021 میں جنگ بندی اور مئی–جون 2022 میں اس میں توسیع ہوئی۔

اسی دوران قبائلی اضلاع میں جنگجوؤں کی واپسی کی اطلاعات سامنے آئیں، جبکہ مئی 2022 میں سوات میں بھی ان کی موجودگی رپورٹ ہوئی۔ سوات میں عوامی مزاحمت کے باعث یہ عمل محدود رہا مگر قبائلی علاقوں خصوصاً تیراہ میں صورتحال مختلف رہی۔

وادی تیراہ میں 2021 کے آخر سے مسلح گروہوں کی سرگرمیاں دوبارہ شروع ہوئیں۔ ابتدا میں وہ سرحدی پہاڑوں تک محدود رہے، مگر بعد میں آبادی میں داخل ہوگئے۔ انہوں نے حجروں اور مساجد میں قیام، مسلح گشت، اور مقامی لوگوں سے خوراک و دیگر زبردستی سہولیات حاصل کرنا شروع کیں جس سے عوامی مشکلات اور سیکیورٹی خدشات بڑھ گئے۔

ان گروہوں میں مقامی افراد کے ساتھ مہمند، باجوڑ، صوابی کے علاقوں اور افغان جنگجو بھی شامل تھے، جبکہ وقت کے ساتھ مقامی نوجوانوں کی بھرتی میں اضافہ ہوا۔ زیر تعلیم بچے بھی باآسانی ان مسلح گروہوں کا حصہ بن گئے۔ محکمہ تعلیم کے مطابق، وادی کے واحد سرکاری ہائی سکول ورسک میں طلبہ کی تعداد پچیس سو تھی جبکہ بدامنی کی لہر میں تین سو سے بھی کم رہ گئی۔

مقامی لوگوں اور عمائدین نے دوبارہ بدامنی کی لہر شروع ہونے پر مقامی سیکورٹی حکام کو شکایات کیں مگر اس کے باوجود بھی مؤثر کارروائی نہ ہونے سے مسلح گروہ مضبوط ہوتے گئے۔ علاقے میں ٹی ٹی پی اور اتحاد المجاہدین جس میں لشکر اسلام، حافظ گل بہادر گروپ اور جماعت الحرار شامل ہیں، سرگرم رہے۔ لشکر اسلام کے افراد کی تعداد دس پندرہ سے بڑھ کر 500 سے زائد ہوگئی۔ ان گروہوں نے متوازی عدالتی نظام قائم کیا اور عشر کی مد میں مقامی آبادی سے رقوم وصول کرنا شروع کیں جو سالانہ کروڑوں روپے بنتی تھی۔

مولانا عزت اللہ ہم خیال کا کہنا ہے "بدامنی پر قابو پانے کے لیے کئی کوششیں ہوئیں، مگر حالات مسلسل خراب ہوتے گئے، جس کے باعث خوف اور عدم تحفظ کے تحت لوگوں نے نقل مکانی شروع کردی"۔

2013 میں مقامی مذہبی تنظیم انصار اسلام اور لشکر اسلام کے درمیان مسلک کی بنیاد پر شورش شروع ہوئی جبکہ بعد میں دیگر مسلح تنظیموں کی سرگرمیاں بھی وادی تیراہ میں شروع ہونے کے سبب مقامی آبادی کو فوجی آپریشن کے سبب نقل مکانی کرنا پڑی۔

بدامنی کی لہر سے وادی تیراہ میں عام لوگوں کی زندگی کیسے متاثر ہوئی

28 اکتوبر 2025 کو پورے علاقے میں کرفیو نافذ تھا، تاہم اسی دوران سیکیورٹی فورسز اور مسلح گروہوں کے درمیان شدید فائرنگ اور گولہ باری جاری رہی۔ برقمبر خیل قبیلے کے دربی خیل علاقے میں پینتالیس سالہ آشنا گل کے گھر پر گولہ

گرنے سے ان کا بیس سالہ بیٹا عمر خان، دس سالہ بیٹی آفشاء، آٹھ سالہ بھتیجی ماریہ اور دیگر اہل خانہ شدید زخمی ہوئے، جبکہ گھر تباہ ہو گیا۔ اسی نوعیت کے ایک اور واقعے میں 22 ستمبر 2025 کی رات شڈالے گاؤں پر فضائی کارروائی کے بعد بیت اللہ سمیت اس کے خاندان کے اٹھارہ افراد جاں بحق ہوئے، جن میں تین ماہ کی بچی بھی شامل تھی۔

ان واقعات کے بعد متاثرہ خاندانوں نے وادی چھوڑ کر باڑہ، پشاور، نوشہرہ اور کوہاٹ سمیت دیگر علاقوں کی طرف نقل مکانی شروع کر دی۔

17 جولائی 2025 کو پیر میلہ میں ایک کم عمر لڑکی کی ہلاکت کے بعد احتجاجی مظاہرہ پرتشدد ہو گیا۔ مظاہرین اور سیکیورٹی فورسز کے درمیان جھڑپ میں کم از کم چھ افراد جاں بحق اور سترہ زخمی ہوئے۔ تحریک متاثرین کے مطابق، بدامنی کے اس دور میں اب تک تقریباً ایک سو تیس افراد (مرد، خواتین اور بچے) جان کی بازی ہار چکے ہیں جبکہ دو درجن سے زائد افراد زخمی ہوئے ہیں۔

وادی تیراہ میں 24 رکنی کمیٹی کا قیام

چار فروری 2025 کو وادی تیراہ تاجر یونین کے صدر اور بااثر شخصیت حاجی شیر محمد آفریدی اور ان کے چچازاد بھائی ابرار کے مسلح گروہوں کے ہاتھوں اغوا اور قتل کے بعد علاقے میں کشیدگی بڑھ گئی۔ اس صورتحال کے بعد سیکیورٹی حکام، سیاسی قیادت اور مقامی عمائدین نے قبائلی مشاورت سے مسائل کے حل کے لیے آفریدی قبیلے کی چھ ذیلی شاخوں برقمبر خیل، شلوبر قمبر خیل، ملک دین خیل، کمر خیل، آدم خیل، اور ذخہ خیل کے چار چار نمائندوں پر مشتمل 20 مارچ 2025 کو 24 رکنی بااختیار کمیٹی قائم کی جبکہ آکا خیل کی نمائندے اس میں شامل نہیں تھے۔

کمیٹی اور مقامی لوگ تین نکات پر متفق ہوئے: دوبارہ نقل مکانی نہ کرنا، مسلح لشکر نہ بنانا، اور سیکیورٹی اداروں یا مسلح گروہوں کی جانب سے کسی بھی قسم کی زیادتی برداشت نہ کرنا۔

بعد ازاں حکومتی ادارے، سیکیورٹی حکام اور صوبائی قیادت کمیٹی سے مسلسل رابطے میں رہے۔ ابتدا میں چھ دیہات میں آپریشن اور دو توئی میں عارضی قیام کی تجویز دی گئی، تاہم بعد میں یہ منصوبہ تبدیل کر کے مالی معاوضوں میں اضافہ کیا گیا۔

4 دسمبر 2025 کو وزیراعلیٰ خیبر پختونخوا سہیل آفریدی کی موجودگی میں کمیٹی، ایم پی اے عبدالغنی آفریدی اور ایم این اے اقبال آفریدی کے درمیان ملاقات ہوئی، جس میں نقل مکانی کا فیصلہ کمیٹی کے سپرد کیا گیا۔ بعد ازاں 19 دسمبر 2025 کو ڈپٹی کمشنر خیبر کے دفتر میں جرگے کے دوران حکومت نے ابتدائی پیکیج پیش کیا: ایک لاکھ روپے فوری امداد، 50 ہزار روپے ماہانہ کرایہ، مکمل نقصان پر 20 لاکھ اور جزوی نقصان پر 10 لاکھ روپے۔ قبائلی عمائدین نے اسے ناکافی قرار دیتے ہوئے زیادہ معاوضے کا مطالبہ کیا۔

22 دسمبر 2025 کو حکومت اور 24 رکنی کمیٹی کے درمیان معاہدہ طے پا گیا، جس کے مطابق نقل مکانی 10 جنوری 2026 سے شروع ہو کر 25 جنوری 2026 تک مکمل ہونا تھی، جبکہ واپسی 5 اپریل 2026 کے بعد مرحلہ وار شروع ہونی تھی۔ نئے معاہدے میں مکمل نقصان پر 30 لاکھ، جزوی نقصان پر 10 لاکھ، فی خاندان 2 لاکھ 50 ہزار روپے نقد اور 50 ہزار روپے ماہانہ امداد طے پائی، ساتھ ہی بائیومیٹرک تصدیق، ٹرانسپورٹ، خوراک اور طبی سہولیات کی یقین دہانی کرائی گئی۔

> **بعد ازاں 13 اکتوبر 2025 کو باڑہ، جمرود اور لنڈی کوتل پر مشتمل تقریباً 93 رکنی قبائلی جرگہ تیراہ میدان میں تحریک طالبان کے نور ولی محسود گروپ سے براہِ راست مذاکرات کے لیے ملا۔ یہ جرگہ اس وقت تشکیل دیا گیا جب سیکیورٹی حکام نے ممکنہ آپریشن یا نقل مکانی کی تجویز پیش کیا تھا۔ مذاکرات میں ٹی ٹی پی نے دو بنیادی مطالبات رکھے، پاکستان میں شرعی نظام کے نفاذ کو تسلیم کرنا اور فاٹا انضمام سے قبل کی صورتحال کی بحالی۔**

تاہم 23 دسمبر 2025 کو بعض قبائلی عمائدین نے باڑہ پریس کلب میں پریس کانفرنس کرتے ہوئے اس معاہدے کو مسترد کیا اور کہا کہ یہ فیصلہ تمام آفریدی اقوام کی مشاورت کے بغیر کیا گیا ہے، لہٰذا اس پر نظرثانی کی جائے۔ معاہدے کے تحت رجسٹریشن 5 جنوری 2026 سے پائیندہ چینہ کے ہائیر سیکنڈری اسکول میں شروع ہونا تھی، مگر عملے کی عدم موجودگی اور انٹرنیٹ مسائل کے باعث باقاعدہ رجسٹریشن 6 جنوری 2026 سے شروع ہو سکی۔

وادی تیراہ میں قیام امن کے لیے مسلح گروہوں کے ساتھ مذاکراتی عمل

وادی تیراہ میں مسلح گروہوں کی سرگرمیوں کا آغاز برقمبر خیل سے ہوا، جہاں خالی گھروں میں ان کے مراکز قائم ہوئے۔ اس دوران فائرنگ، اغوا اور تشدد کے واقعات میں اضافہ ہوا جس سے عام شہری شدید متاثر ہوئے۔

28 جولائی 2025 کو برقمبر خیل کے 24 رکنی کمیٹی کے عمائدین کمال الدین آفریدی اور ظاہر شاہ آفریدی کی قیادت میں سینکڑوں افراد نے بھوٹان شریف میں تحریک طالبان کے مرکز کے سامنے قرآن ہاتھوں میں لے کر پانچ مطالبات پیش کیے، جن میں شہری علاقوں میں فائرنگ بند کرنا، بھتہ اور عشر ختم کرنا، مقامی معاملات میں مداخلت نہ کرنا، اغوا و قتل کے واقعات کی روک تھام اور ماضی کے واقعات پر انصاف کی فراہمی شامل تھا۔ تاہم مسلح گروہوں نے علاقہ چھوڑنے سے انکار کر دیا۔

بعد ازاں 13 اکتوبر 2025 کو باڑہ، جمرود اور لنڈی کوتل پر مشتمل تقریباً 93 رکنی قبائلی جرگہ تیراہ میدان میں تحریک طالبان کے نور ولی محسود گروپ سے براہِ راست مذاکرات کے لیے ملا۔ یہ جرگہ اس وقت تشکیل دیا گیا جب سیکیورٹی حکام نے ممکنہ آپریشن یا نقل مکانی کی تجویز پیش کی تھی۔ مذاکرات میں ٹی ٹی پی نے دو بنیادی مطالبات رکھے، پاکستان میں شرعی نظام کے نفاذ کو تسلیم کرنا اور فاٹا کے انضمام کا خاتمہ۔ دیگر مسلح گروہوں نے اس عمل میں حصہ نہیں لیا اور تحفظات کا اظہار کیا۔ جرگے نے مطالبات حکومت کو پیش کرنے کا فیصلہ کیا، تاہم عارضی جنگ بندی کے خاتمے کے بعد صورتحال مزید غیر یقینی ہو گئی اور مختلف گروہوں کی عدم شمولیت نے امن عمل کو پیچیدہ بنا دیا۔

وادی تیراہ: سیاسی اختلافات اور بدامنی کے اثرات

خیبر پختونخوا میں برسرِ اقتدار جماعت پاکستان تحریک انصاف کو وادی تیراہ میں ممکنہ فوجی آپریشن، نقل مکانی اور متاثرین کے مسائل پر اپوزیشن جماعتوں اور مرکز میں پاکستان مسلم لیگ کی جانب سے شدید سیاسی دباؤ کا سامنا رہا۔ اسی دوران باڑہ سیاسی اتحاد پر بھی یہ الزام لگایا گیا کہ وہ کسی سیاسی جماعت کے دباؤ میں پی ٹی آئی کے لیے مشکلات پیدا کر رہا ہے اور متاثرین کے مسائل کے حل میں سنجیدہ نہیں، تاہم اتحاد نے ان الزامات کو مسترد کیا۔

باڑہ سیاسی اتحاد کے صدر ہاشم آفریدی کے مطابق، انہوں نے وادی تیراہ میں قیام امن کے لیے طویل کوششیں کیں، لیکن اس کے باوجود بدامنی میں اضافہ ہوا اور مسلح گروہوں کی سرگرمیاں باڑہ تک پھیل گئیں۔ انہوں نے کہا کہ کئی بار وزیراعلیٰ خیبر پختونخوا سے ملاقات کی درخواست کی، مگر تاحال انہیں ملاقات کا وقت نہیں دیا گیا۔ ان کے بقول نقل مکانی اور متاثرین کی مدد صوبائی حکومت کی ذمہ داری ہے، جبکہ سیاسی اتحاد صرف عوامی مسائل اجاگر کر رہا ہے اور تمام جماعتوں کے ساتھ اعتماد سازی کے لیے تیار ہے"۔

عبدالرازق آفریدی نے کہا، کہ تیراہ کے مسائل کے حل

کے لیے سیاسی جماعتوں کو ایک مشترکہ فورم پر بیٹھنا ہوگا۔ ان کے مطابق، "اب قبائلی علاقوں میں کوئی مخصوص گروہ یا اثر و رسوخ باقی نہیں رہا، اس لیے مسائل کا حل صرف ایک متفقہ سیاسی ایجنڈے کے تحت ہی ممکن ہے، اور قیامِ امن کے لیے سیاست سے بالاتر ہو کر کام کرنا ہوگا۔"

وادی تیراہ میں بدامنی کی دوسری لہر کے روک تھام کے لئے مقامی سطح پر سیاسی جماعتوں، چوبیس رکنی کمیٹی اور دیگر مشران اور دیگر تنظیموں نے انخلاء سے آٹھ مہینے پہلے تیراہ کے مرکز لر باغ میں احتجاج کیا، چوبیس رکنی کمیٹی ممبران بھی احتجاج میں شریک ہو کر تقریریں کرتے رہے تاہم شروع سے لیکر حتمی معاہدے تک پوری عمل میں سیاسی قیادت کو دور رکھا گیا۔

2 دسمبر 2025 کو تیراہ میدان میں بدامنی کے خلاف ہونے والے احتجاجی دھرنے کے شرکاء کے خلاف تھانہ تیراہ میں ایک مقدمہ درج کیا گیا، جس میں بغاوت، اشتعال انگیزی، ریاستی اداروں کے خلاف نفرت پھیلانے اور دہشت گردی سے متعلق دفعات شامل کی گئیں۔ اس مقدمے میں عوامی نیشنل پارٹی کے رہنماء منہاج آفریدی سمیت تقریباً 300 افراد کو نامزد کیا گیا تھا۔ اس مقدمے میں منہاج آفریدی کو تیراہ سے گرفتار کرلیا گیا جبکہ بعد میں عدالت نے ان کی ضمانت منظور کر لی۔

تیراہ آپریشن پر فوج، وفاقی اور صوبائی مؤقف میں اختلاف

ملک میں سیاسی کشیدگی کے اثرات وادی تیراہ میں نقل مکانی اور ممکنہ فوجی آپریشن کے معاملے پر اس وقت بڑھ گئے جب ضلع خیبر سے صوبائی اسمبلی کے رکن سہیل آفریدی نے وزیر اعلیٰ کے خلاف مؤقف اختیار کیا۔ نومبر 2025 میں ڈی جی آئی ایس پی آر لیفٹیننٹ جنرل احمد شریف چوہدری نے میڈیا بریفنگ میں کہا کہ سیاسی اور جرائم پیشہ عناصر کی وجہ سے تیراہ میں دہشتگردوں کے خلاف کارروائیاں مؤثر نہیں ہو پا رہیں۔ ان کے مطابق، علاقے میں پوست کی کاشت سے اربوں روپے کی آمدن حاصل ہوتی ہے، جس میں مختلف عناصر شامل ہیں، اور یہ مالی مفادات دہشتگردوں، مقامی آبادی اور بعض عناصر کو آپس میں جوڑتے ہیں۔

اس کے برعکس وفاقی وزیر داخلہ خواجہ آصف نے قومی اسمبلی میں کہا کہ تیراہ سمیت کسی بھی علاقے میں امن قائم کرنے کا اختیار وفاق کے پاس ہے اور آپریشن کو کوئی نہیں روک سکتا۔ حکومت کے دیگر وزراء نے مؤقف اپنایا کہ تیراہ سے نقل مکانی فوجی آپریشن کی وجہ سے بلکہ شدید سردی کے باعث ہو رہی ہے۔ پاکستان تحریک انصاف کے اراکین نے کارروائیوں کے نتائج اور حکومتی حکمتِ عملی پر تحفظات کا اظہار کیا۔ متاثرہ شہری ذاکر اللہ کے مطابق نقل مکانی نے عوام کو شدید مشکلات میں ڈال دیا جبکہ حکومتی بیانات مایوس کن ہیں۔ ان کے مطابق لر باغ اور پیر میلہ جیسے علاقوں میں مساجد سے اعلانات کے ذریعے دکانیں خالی کرائی گئیں، جس سے ہزاروں افراد شدید سردی میں بے گھر ہوئے اور انہیں مالی نقصان بھی اٹھانا پڑا۔ ممبر صوبائی اسمبلی عبدالغنی آفریدی نے کہا کہ وفاقی اور عسکری بیانات سے صورتحال بہتر ہونے کی بجائے مزید پیچیدہ ہو رہی ہے۔ ان کے مطابق، "اب تک 22 بڑے آپریشنز ہو چکے ہیں مگر مستقل امن قائم نہیں ہو سکا"۔

باڑہ سیاسی اتحاد نے بھی صوبائی حکومت پر تنقید کی، جبکہ متعدد اجلاسوں کے باوجود تیراہ کے مسئلے پر کوئی مشترکہ لائحہ عمل طے نہیں کیا جا سکا۔

وادی تیراہ کا جغرافیہ

وادی تیراہ صوبہ خیبر پختونخوا کے ضلع خیبر میں پشاور سے تقریباً 120 کلومیٹر مغرب میں واقع ایک دورافتادہ پہاڑی علاقہ ہے۔ یہاں آفریدی قبیلے کی ذیلی شاخیں برقمبر خیل، شلوبر قمبر خیل، ملک دین خیل، آدم خیل، آکا خیل، کمر خیل، کوکی خیل اور ذخہ خیل آباد ہیں۔ یہ وادی آفریدی قبیلے کا تاریخی مسکن بھی تصور کی جاتی ہے۔

ضلع خیبر کا مجموعی رقبہ 2576 مربع کلومیٹر ہے جبکہ وادی تیراہ کا رقبہ 30 مربع کلومیٹر سے زائد بتایا جاتا ہے۔ وادی اپنے قدرتی حسن، پہاڑوں، چشموں اور زرعی زمینوں کے باعث مشہور ہے۔ اس کے شمال مغرب میں کوہ سفید کا پہاڑی سلسلہ اور افغانستان، مغرب میں ضلع کرم اور جنوب مشرق میں اورکزئی واقع ہیں۔ گرمی میں بہترین آب و ہوا اور زرعی زمینوں کی کاشت کے لئے مقامی لوگ مارچ اور اپریل میں تیراہ جبکہ ستمبر اور اکتوبر میں واپس گرم میدانی علاقوں میں آتے ہیں ساتویں مردم شماری کے مطابق وادی کی آبادی تقریباً 110400 افراد پر مشتمل ہے۔ اکثریت مسلمانوں پر مشتمل ہے، جبکہ ماضی میں یہاں سینکڑوں سکھ اور چند ہندو خاندان بھی آباد تھے، تاہم بدامنی کے باعث اب صرف ایک سکھ خاندان باقی رہ گیا ہے۔

آئی ڈی پیز کی بجائے ٹی ڈی پیز کیوں

پی ڈی ایم اے کے ایک اعلیٰ عہدیدار نے بتایا کہ ستمبر 2014 کو پاکستان میں عسکریت پسندی کے آغاز کے تقریباً گیارہ سال بعد وزارتِ خارجہ نے ایک اصلاحی فیصلہ کرتے ہوئے متعلقہ اداروں کو ہدایت جاری کی ہے کہ خیبر پختونخوا اور سابقہ فاٹا کے افراد کے لیے، جو عسکری کارروائیوں اور بدامنی کے باعث اپ بے گھر ہوئے ہیں، ان کو Internally Displaced Persons (IDPs) کی بجائے "Temporarily Dislocated Persons (TDPs)" کہا جائے۔

پی ڈی ایم اے کے ایک اعلیٰ عہدیدار نے بتایا کہ وزارتِ خارجہ نے سابق فاٹا ڈیزاسٹر منیجمنٹ اتھارٹی اور صوبائی ڈیزاسٹر منیجمنٹ اتھارٹی خیبر پختونخوا سمیت دیگر متعلقہ اداروں کو ایک مراسلہ ارسال کیا تھا کہ جس میں واضح کیا گیا ہے کہ سرکاری دستاویزات اور اعداد و شمار میں آئی ڈی پیز کے بجائے ٹی ڈی پیز کی اصطلاح استعمال ہوگی۔

اس حوالے سے وزارتِ خارجہ کا مؤقف ہے کہ آئی ڈی پیز ایک ایسی اصطلاح ہے جو عموماً جنگ یا کسی علاقے پر قبضے کے نتیجے میں بے گھر ہو نے والے افراد کے لئے استعمال کی جاتی ہے جبکہ قبائلی علاقوں سے بے گھر لوگ کسی بیرونی جنگ یا قبضے کے نتیجے میں بے گھر نہیں ہوئے، بلکہ ریاستی اداروں نے علاقے میں حکومتی رٹ بحال کرنے کے لئے انسدادِ دہشت گردی کارروائیاں کیں، اس لیے ان کے لئے ٹی ڈی پیز کی اصطلاح زیادہ مناسب ہے۔

پاکستان میں بے گھر اور عارضی طور پر نقل مکانی کرنے والے افراد کے حوالے سے وفاقی یا صوبائی سطح پر کوئی جامع، مستقل اور حقوق پر مبنی واضح قومی پالیسی موجود نہیں ہے۔ اگرچہ این ڈی ایم اے اور پی ڈی ایم اے اور سابق ایف ڈی ایم اے کے ذریعے متاثرہ افراد کی رجسٹریشن، امداد، واپسی اور بحالی کے لیے مختلف انتظامی اقدامات اور حکمتِ عملیاں متعارف کرائی گئیں۔

تاہم یہ زیادہ تر ہنگامی امداد اور عارضی بحالی تک محدود رہیں۔ این ڈی ایم اے ایکٹ 2010 میں آئی ڈی پیز یا ٹی ڈی پیز کی واضح تعریف اور ان کے حقوق، تحفظ، مستقل بحالی، روزگار اور سماجی انضمام سے متعلق مکمل فریم ورک موجود نہیں۔

سابقہ فاٹا اور خیبر پختونخوا میں فوجی آپریشنز کے بعد پائیدار واپسی اور بحالی کی حکمت عملی جیسے منصوبے متعارف ضرور ہوئے مگر ماہرین کے مطابق ان پر مکمل اور مؤثر عملدرآمد نہ ہونے، فنڈز کی کمی، ادارہ جاتی کمزوری اور وفاق و صوبے کے درمیان اختیارات کے ابہام کی وجہ سے لاکھوں متاثرہ خاندان طویل عرصے تک غیر یقینی صورتحال کا شکار رہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی بے گھر افراد کی واپسی، معاوضے، روزگار، بنیادی سہولیات اور سماجی بحالی کے مسائل مکمل طور پر حل نہیں ہو سکے۔

اسلام گل آفریدی ضلع خیبر مقیم ایک آزاد پیشہ ور صحافی ہیں۔ وہ کئی ملکی و عالمی ذرائع ابلاغ کے لیے رپورٹنگ کرتے ہیں۔

میں بلوچستان میں تعینات رہا ہوں۔ وقت آ گیا ہے کہ ہم اپنی ناکامیوں کا اعتراف کریں

ڈاکٹر سید کلیم امام

جب میں نے 1988ء میں پولیس سروس آف پاکستان (پی ایس پی) میں شمولیت اختیار کی، تو بطور اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ آف پولیس میری پہلی تعیناتی زیارت، بلوچستان میں ہوئی۔ نئی نئی شادی ہوئی تھی، چنانچہ میں ازراہِ مذاق اسے اپنی ہنی مون پوسٹنگ کہا کرتا تھا۔ یہ ایک پرامن ضلع تھا جہاں محض دو تھانے تھے جو ایک دوسرے سے جڑے اور باہم مربوط معاشرے میں خدمات انجام دے رہے تھے۔

زیارت کے ذریعے ہی میرا تعارف وہاں کے قدیم صنوبر کے جنگلات سے ہوا۔ مجھے بتایا گیا کہ یہ درخت کئی سالوں میں محض چند انچ ہی بڑھتے ہیں اور ان میں سے بعض صدیوں پرانے ہیں۔ ان کی مضبوطی کا راز ان کی گہری جڑوں اور تسلسل پوشیدہ تھا۔ ان قدیم صنوبر کے درختوں کی طرح، میں نے 1990ء کے عام انتخابات کے دوران ایک اہم سبق سیکھا: جہاں لوگ ایک دوسرے کو جانتے ہوں اور ان کے تعلقات گہرے ہوں، وہاں پسِ پردہ کارروائی کرنے والے عناصر کے لیے حالات کو اپنے مفاد میں استعمال کرنا انتہائی دشوار ہو جاتا ہے۔ افسوس کہ جہاں صنوبر کے درخت صبر و تحمل سے پروان چڑھتے رہے، وہیں لوگوں کے درمیان بداعتمادی کی جڑیں مضبوط ہوتی گئیں، یہاں تک کہ وہ موجودہ شدت پسندی میں بدل گئیں۔

اگلی دہائی کے دوران، میں نے اس صوبے کو بدلتے دیکھا۔ جو کبھی امن و امان کا ایک معمولی مسئلہ ہوا کرتا تھا، وہ رفتہ رفتہ قومی اور علاقائی جہتوں پر مشتمل ایک طویل تنازع میں تبدیل ہو گیا۔ مجھے مُلا سلام، جو راکٹی کے نام سے مشہور تھا کے ہاتھوں زیارت کے ڈپٹی کمشنر کا اغوا یاد ہے۔ سالہا سال بعد قائدِ اعظم ریذیڈنسی کی افسوس ناک اور دل دہلا دینے والی تباہی ہوئی۔ ہر بڑے واقعے کے بعد سرکاری پیغام ایک ہی ہوتا: 'شدت پسندوں کو ختم کر دیا گیا ہے'۔ اس کے باوجود تشدد بار بار لوٹ کر آتا رہا — غالباً نئے روپ اور مزید شدت کے ساتھ۔

"امن آخری شدت پسند کے مارے جانے سے قائم نہیں ہوگا۔ یہ اس وقت آئے گا جب ہر شہری کو یقین ہوگا کہ یہ ریاست ان کی اپنی ہے۔"

نواب اکبر بگٹی کے خلاف آپریشن ایک اور موڑ ثابت ہوا۔ کوئی ان سے متفق ہو یا نہ ہو، وہ ایک معمر قبائلی رہنما تھے جن کا سیاسی اثر و رسوخ پہلے ہی مدہم ہو رہا تھا۔ تاہم، ان کی موت نے ان لوگوں کو بھی متحد کر دیا جو اس سے قبل تقسیم تھے۔ اس کے بعد کا طریقہ کار سیاسی اعتماد کی بحالی اور حقیقی مقامی اداروں کی تعمیر کے بجائے محض طاقت کے استعمال پر مبنی تھا۔

تقریباً دو دہائیوں بعد، پاکستان کو خود سے ایک تلخ اور ناگوار سوال پوچھنا ہوگا: اگر سیکورٹی پر مبنی حکمتِ عملی سے پائیدار امن قائم نہیں ہو سکا، تو ہم قانون کی حکمرانی، معتبر مقامی قیادت اور عوامی اعتماد پر مبنی سیاسی طور پر جامع حکمتِ عملی کے بجائے اسی پر انحصار کیوں کیے جا رہے ہیں؟

ہر ریاست کو یہ حق حاصل ہے اور اس کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ ان مسلح گروہوں کا مقابلہ کرے جو اس کی رِٹ کو چیلنج کرتے ہیں۔ لیکن طاقت کا استعمال ہمیشہ آخری حربہ ہونا چاہیے، جسے قانون کی حد میں رہ کر صرف ان لوگوں کے خلاف استعمال کیا جائے جو اس کے ذمہ دار ہیں۔ اجتماعی سزا سے شاذ و نادر ہی بغاوتیں ختم ہوتی ہیں؛ بلکہ یہ اکثر انہیں طول دیتی ہے۔

زیارت، حنا اورک اور وسیع تر پشتون پٹی میں حال ہی میں ہونے والے حملوں میں اضافہ انتہائی تشویش ناک ہے، اور مستونگ، چاغی اور دیگر علاقوں میں مسلسل پیش آنے والے واقعات ہمیں یاد دلاتے ہیں کہ یہ چیلنج برقرار ہے۔ اس سے بھی زیادہ تشویش ناک بات وہ اطلاعات تھیں کہ کچھ جگہوں پر مقامی برادریوں نے مغویوں کی رہائی کے لیے مذاکرات کیے جبکہ رسمی ادارے کوئی اقدام کرنے میں مشکلات کا شکار رہے۔ شاید اب یہ تسلیم کرنے کا وقت آ گیا ہے کہ بنیادی طور پر صرف طاقت پر انحصار کرنا کوئی پائیدار پالیسی نہیں ہے۔

تاہم، اصل کمزوری کہیں زیادہ گہری ہے۔ اپنی ملازمت کے سالوں میں، میں نے بار بار دیکھا کہ بلوچستان میں نتائج کے ذمہ دار افسران شاذ و نادر ہی وہ ہوتے تھے جنہوں نے فیصلے کیے تھے، اور جنہوں نے فیصلے کیے تھے ان کا نتائج کے حوالے سے شاذ و نادر ہی احتساب کیا گیا۔ اس کا سب سے بڑا شکار عام شہری ہے، جس کی آواز اس پورے عمل سے غائب ہے۔ پائیدار امن ایسی غیر مربوط قیادت کے ذریعے قائم نہیں کیا جا سکتا جس کا ان لوگوں کو ہی اعتماد حاصل نہ ہو جن کی نمائندگی کا وہ دعویٰ کرتی ہے۔

ہمارے ادارے اس خرابی کو دو طریقوں سے مزید بڑھاتے ہیں، اور یہ دونوں آپس میں جڑے ہوئے ہیں۔ سالہا سال کے دوران، میں نے قابلِ قدر سول سرونٹس اور پولیس افسران کو ایماندارانہ پیشہ ورانہ مشورہ دینے سے ہچکچاتے دیکھا ہے، کیونکہ جی حضوری اور اتفاقِ رائے کو انعام سے نوازا جاتا تھا جبکہ راست گوئی کو بے وفائی سمجھا جاتا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ ایک سینئر پولیس افسر فخر سے کہا کرتے تھے کہ ان کا بنیادی فرض ریاست کی نمائندگی کرنا ہے۔

میں ادب کے ساتھ ان سے اختلاف کرتا ہوں۔ پولیس ریاست کی بہترین نمائندگی اس وقت کرتی ہے جب وہ لوگوں کے حقوق، ان کی عزت اور سیکورٹی کی حفاظت کرتی ہے۔ عین اس وقت، قابل منتظمین شاذ و نادر ہی کسی ایک جگہ اتنی دیر ٹھہرتے ہیں کہ کوئی تعمیری کردار ادا کر سکیں۔ بہترین انٹیلی جنس کا انحصار ساکھ، مقامی معلومات اور تسلسل پر ہوتا ہے، اور ہر اچانک تبادلہ ان تعلقات کو تباہ کر دیتا ہے جنہیں پروان چڑھنے میں کئی برس لگے ہوتے ہیں۔

ایک اور سبق ہے جسے ہم مسلسل نظر انداز کر رہے ہیں۔ ہر بڑے حملے کے بعد، ہم حملہ آوروں کی تحقیقات تو کرتے ہیں، لیکن شاذ و نادر ہی اپنا جائزہ لیتے ہیں۔ جیسے کہ، نظام کہاں ناکام ہوا؟ کن خطرے کی علامات کو نظر انداز کیا گیا؟ کن ادارہ جاتی کمزوریوں کے باعث یہ حملہ ممکن ہوا؟ پیشہ ورانہ تنظیمیں حملے کے بعد کے دیانت دارانہ تجزیے کے ذریعے ہی بہتری لاتی ہیں۔

مخالف عناصر بلا شبہ بلوچستان کی خامیوں کا فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اس پر کسی کو حیرت نہیں ہونی چاہیے۔ زیادہ اہم سوال یہ ہے کہ دہائیوں کے آپریشنز، بے پناہ عوامی اخراجات اور امن کے بار بار دہرائے جانے والے وعدوں کے بعد بھی یہ خامیاں کیوں دور نہیں ہو سکیں؟

اس کا جواب یہ نہیں ہے کہ جہاں سیکورٹی آپریشنز ضروری ہوں انہیں ختم کر دیا جائے۔ نہ ہی اس کا جواب ایک اور ضلع بنانا، ایک اور پیکیج کا اعلان کرنا یا ایک اور قانون منظور کرنا ہے۔ نظم و نسق کو انتظامی نقشوں سے نہیں بلکہ اس بات سے ماپا جاتا ہے کہ آیا شہریوں کو اپنے اداروں پر اتنا اعتماد ہے کہ وہ بحران کے لمحات میں ان کی طرف رجوع کر سکیں۔

اگر مجھ سے پوچھا جائے کہ شروعات کہاں سے کی جائے، تو میں آغاز ایک اور آپریشن سے نہیں بلکہ لوگوں سے کروں گا۔ پاکستان کو ان برادریوں کے ساتھ ایک مسلسل اور پائیدار مکالمے کی ضرورت ہے جو ریاست سے بیگانہ ہو چکی ہیں۔ سننا کوئی ہتھیار ڈالنا نہیں ہے۔ مصالحت کوئی کمزوری نہیں ہے۔ بغاوت کے خاتمے کی ہر کامیاب کوشش کا انحصار بالآخر سیاسی جواز، جوابدہ اداروں اور عوامی اعتماد پر ہوتا ہے۔

زیارت کے قدیم صنوبر کے درخت ہمیں یاد دلاتے ہیں کہ مضبوط جڑوں کو پروان چڑھنے میں وقت لگتا ہے۔ افسوس کہ جہاں بغاوت دہائیوں میں جا کر پختہ ہوئی، وہیں اس سے پہلے کہ ہمارے ادارے اپنی جڑیں مضبوط کر پاتے، انہیں پہلے ہی بار بار اکھاڑ پھینکا گیا۔ بلوچستان کو ایک اور اعلان، ایک اور تبدیلی یا یہ دعویٰ کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ "صورتِ حال کنٹرول میں ہے"۔ اسے مستحکم قیادت، معتبر مقامی اداروں اور اس اعتراف کی ہمت درکار ہے کہ اگر دہائیوں پر محیط ایک ہی حکمتِ عملی سے پائیدار امن قائم نہیں ہو سکا، تو شاید محض عمل درآمد کو نہیں بلکہ پوری حکمتِ عملی کو بدلنے کی ضرورت ہے۔"

(انگریزی سے ترجمہ بشکریہ عرب نیوز پاکستان)

ڈاکٹر سید کلیم امام پی ایچ ڈی ہولڈر ہیں اور سابق وفاقی سیکرٹری، انسپکٹر جنرل آف پولیس اور اقوامِ متحدہ کے پولیس کمشنر رہ چکے ہیں۔ وہ یونیورسٹیوں میں قانون اور فلسفہ پڑھاتے ہیں۔

بشریٰ خالق انسانی حقوق کی معروف کارکن ہیں۔ وہ عورتوں کی خودمختاری کے لیے جدوجہد کرنے والے ادارے WISE (وائز) کی ایگزیکٹو ڈائریکٹر ہیں۔

عقیلہ ناز: کسانوں کی جدوجہد کی ایک نڈر، انقلابی اور باوقار رہنما

بشریٰ خالق

ان کی زندگی کے آخری پندرہ برسوں میں ان کی جدوجہد کا دائرہ مزید وسیع ہوا

انجمنِ مزارعین پنجاب کی دلیر، باہمت اور عوام دوست رہنما عقیلہ ناز یکم جولائی 2026 کو چک 87 ضلع خانیوال میں انتقال کر گئیں۔ یہ صرف ان کے اہلِ خانہ ہی نہیں بلکہ پاکستان میں کسان تحریک، خواتین کی مزاحمتی سیاست اور انسانی حقوق کی جدوجہد کے لیے ناقابلِ تلافی نقصان ہے۔

سن 2000 کی دہائی میں جنرل مشرف کے دور میں عقیلہ ناز کو عالمی سطح خصوصاً" جنوبی ایشیا میں انجمنِ مزارعین پنجاب کی دلیر خاتون قائد ہونے کے حوالے سے بہت پذیرائی حاصل ہوئی۔ انجمنِ مزارعین پنجاب ان لاکھوں مزارعین کی نمائندہ تنظیم ہے جو گزشتہ ایک صدی سے سرکاری اور فوجی انتظام میں آنے والی زرعی اراضی پر کاشتکاری کرتے آئے ہیں۔ برطانوی دور میں مزارعین فصل میں حصہ داری کے نظام کے تحت زمین کاشت کرتے تھے، مگر بعدازاں انہیں اس نظام کی جگہ ٹھیکیداری نظام کو قبول کرنے پر مجبور کیا گیا۔ مزارعین نے اس فیصلے کو مسترد کرتے ہوئے اپنے تاریخی حقوق کے دفاع میں مزاحمت کا راستہ اختیار کیا۔ اس مزاحمتی تحریک کا آغاز سن 2000 میں اوکاڑہ اور خانیوال سے ہوا۔ اس جدوجہد کے دوران ریاستی جبر، گرفتاریاں، قید و بند، تشدد اور جانوں کی قربانیاں بھی اس تحریک کا حصہ بنیں، مگر مزارعین نے اپنے حقِ ملکیت اور وقار کی جدوجہد جاری رکھی۔

عقیلہ ناز نے جنرل پرویز مشرف کے دور میں اسی تاریخی مزاحمت میں ضلع خانیوال سے صفِ اول کی قیادت کی، جب ریاستی طاقت کے ذریعے مزارعین کو ان کی نسلوں پر محیط کاشتکاری کے حق سے محروم کرنے کی کوشش کی جا رہی تھی۔ انہوں نے ہزاروں مرد و خواتین مزارعین کے ساتھ مل کر زمین پر حقِ ملکیت کی تاریخی جدوجہد میں بے مثال جرات، استقامت اور قربانی کا مظاہرہ کیا۔ ان کی آواز تحریک کے اس تاریخی نعرے "مالکی یا موت" اور "جیہڑا واہوے او ہو کھاوے" کی مضبوط ترجمان تھی، اور وہ اس یقین کی علامت تھیں کہ "زمین اس کی جو اسے کاشت کرے۔"

اس تاریخی مزاحمت کی ایک منفرد اور ناقابلِ فراموش پہچان کسان خواتین کا غیر معمولی کردار تھا۔ عقیلہ ناز ان خواتین رہنماؤں میں شامل تھیں جنہوں نے صرف تنظیم سازی اور عوامی شعور بیدار کرنے تک خود کو محدود نہیں رکھا بلکہ فوج، مقامی پولیس اور ریاستی جبر کا صفِ اول میں ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ جب مزارعین کی تحریک کو طاقت کے ذریعے کچلنے کی کوشش کی گئی تو دیہی خواتین نے اپنے روزمرہ گھریلو اوزار " تھاپا" جس سے کپڑے دھوئے جاتے ہیں، کو مزاحمت کی علامت بنا لیا۔ یہ تھاپا ان کے ہاتھوں میں صرف ایک لکڑی کا اوزار نہیں رہا بلکہ ظلم، جبر اور استحصال کے خلاف عوامی مزاحمت کی علامت بن گیا۔ عقیلہ ناز ان دلیر خواتین میں سے تھیں جنہوں نے ثابت کیا کہ عورتیں صرف زندگی کو تخلیق، پرورش اور سنوارنے والی نہیں بلکہ آزادی، زمین اور انصاف کے دفاع میں ہر اول دستے کا کردار بھی ادا کر سکتی ہیں۔ ان کی قیادت نے کسان خواتین کو یہ اعتماد بخشا کہ طبقاتی استحصال، پدرشاہی اور ریاستی جبر کے خلاف جدوجہد میں ان کی شرکت اور قیادت فیصلہ کن اہمیت رکھتی ہے۔ عقیلہ ناز نے نہ صرف طبقاتی استحصال کے خلاف جدوجہد کی بلکہ اس مردانہ سماجی ڈھانچے کو بھی چیلنج کیا جو دیہی خواتین کو قیادت سے دور رکھتا ہے۔

انہوں نے ثابت کیا کہ دیہی خواتین صرف تحریکوں کا حصہ ہی نہیں بلکہ اس کی مؤثر رہنما، فیصلہ ساز اور تبدیلی کی معمار بھی ہو سکتی ہیں۔ انہوں نے ہزاروں خواتین کو منظّم کیا، ان میں اعتماد پیدا کیا اور انہیں یہ شعور دیا کہ خواتین کی آزادی، زمین، محنت اور وسائل پر مساوی حق کی جدوجہد سے الگ نہیں۔

ان کی سیاست محنت کش عوام، کسانوں اور خواتین کی آزادی کے اس خواب سے عبارت تھی جس میں استحصال، ناانصافی اور ہر قسم کی جبر پر مبنی بالادستی کے لیے کوئی جگہ نہیں۔ وہ اس نظریے پر یقین رکھتی تھیں کہ طبقاتی اور صنفی استحصال کے خاتمے کے بغیر منصفانہ معاشرہ تشکیل نہیں پا سکتا۔ ان کی زندگی اس بات کی روشن مثال ہے کہ عوامی مزاحمت ہی تاریخ میں حقیقی تبدیلی کی بنیاد رکھتی ہے۔

عقیلہ ناز کی جدوجہد کو مجموعی طور پر دو اہم ادوار میں سمجھا جا سکتا ہے۔ ان کی سیاسی زندگی کا پہلا مرحلہ جو تقریباً ایک دہائی پر مشتمل تھا، طبقاتی استحصال، جاگیردارانہ و عسکری بالادستی اور زمین پر مزارعین کے حقِ ملکیت کی جدوجہد سے عبارت ہے۔ اس دور میں انہوں نے محنت کش کسانوں کی اجتماعی طاقت پر یقین رکھتے ہوئے اس اصول کی وکالت کی کہ جو زمین کاشت کرتا ہے، اس پر سب سے پہلا حق بھی اسی کا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی خانیوال اور اوکاڑہ میں کسان اپنے اس حق کی جدوجہد میں پیچھے نہیں ہٹے۔

ان کی زندگی کے آخری پندرہ برسوں میں ان کی جدوجہد کا دائرہ مزید وسیع ہوا۔ انہوں نے اس حقیقت کو نمایاں کیا کہ طبقاتی آزادی اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتی جب تک خواتین کو پدرشاہی، امتیازی سماجی ڈھانچوں اور صنفی نابرابری سے نجات حاصل نہ ہو۔ انہوں نے دیہی خواتین کی قیادت، سیاسی شرکت، فیصلہ سازی، معاشی خودمختاری اور انسانی وقار کے لیے بھرپور آواز اٹھائی اور اس بات پر زور دیا کہ منصفانہ معاشرے کی تعمیر طبقاتی انصاف اور صنفی مساوات، دونوں کے بغیر ممکن نہیں۔ یوں عقیلہ ناز کی پچاس سالہ زندگی اس فکر کی عملی تعبیر تھی کہ کسانوں کی جدوجہد اور خواتین کی آزادی کی جدوجہد دراصل ایک دوسرے کی تکمیل کرتی ہیں۔ انہوں نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں کینسر جیسے موذی مرض کا بھی نہایت حوصلے، وقار اور عزم کے ساتھ مقابلہ کیا، مگر ان کا جذبہ مزاحمت کبھی کمزور نہ پڑا۔

ہم عقیلہ ناز کے اہلِ خانہ، انجمنِ مزارعین پنجاب، ان کے ساتھیوں اور تمام رفقائے جدوجہد سے دلی تعزیت کا اظہار کرتے ہیں۔ عقیلہ ناز کی جدوجہد، جرات، قربانیاں اور عوام سے وابستگی ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی۔ ان کا نام پاکستان میں کسانوں کے حقوق، زمین پر حقِ ملکیت، خواتین کی قیادت، صنفی برابری اور سماجی انصاف کی جدوجہد کی تاریخ میں ہمیشہ عزت و احترام سے لیا جائے گا۔

عقیلہ ناز ہم میں نہیں رہیں، مگر ان کی جدوجہد، ان کے نظریات اور ان کی جرات ہر اس عورت، کسان اور محنت کش کے دل میں زندہ رہے گی جو ایک منصفانہ، مساوی اور استحصال سے پاک معاشرے کے خواب پر یقین رکھتا ہے۔ ان کی زندگی ہمیں یہ سبق دیتی ہے کہ مزاحمت صرف ایک عمل نہیں بلکہ امید، وقار اور آزادی کا نام ہے۔

سرخ سلام عقیلہ ناز! زمین، انصاف اور آزادی کی جدوجہد میں آپ کی آواز ہمیشہ گونجتی رہے گی، اور کسان خواتین کی مزاحمت کی تاریخ میں آپ کا نام ہمیشہ عزت، محبت اور انقلابی عزم کے ساتھ یاد رکھا جائے گا۔

بشریٰ خالق انسانی حقوق کی معروف کارکن ہیں۔ وہ عورتوں کی خودمختاری کے لیے جدوجہد کرنے والے ادارے WISE (وائز) کی ایگزیکٹو ڈائریکٹر ہیں۔

غلبے کا کلچر اور ریپ

ڈاکٹر اختر علی سید

خواتین پر تشدد کا سلسلہ سرحدوں کا محتاج نہیں رہا، یہ ہر ملک کا مسئلہ ہے

دہلی میں جیوتی سنگھ کے ساتھ اجتماعی زیادتی اور قتل کے واقعے کے 13 سال بعد بھی، جنوبی ایشیا ایک ایسی حقیقت کے ساتھ جی رہا ہے جس کا سامنا کرنے سے وہ کتراتا ہے۔ عوام کا غصہ ابھرتا ہے اور پھر ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔ قوانین مزید سخت کر دیے جاتے ہیں۔ حکومتیں انصاف کا وعدہ کرتی ہیں۔ پھانسیاں دی جاتی ہیں۔ لیکن اس کے باوجود، ریپ کے واقعات دردناک باقاعدگی کے ساتھ جاری ہیں، جیسے کچھ بدلا ہی نہ ہو۔

بھارت نے 2012 میں جیوتی سنگھ کو جنسی زیادتی کا نشانہ بنانے والے چار افراد کو پھانسی دی۔ پاکستان نے نور مقدم کے قاتل کی سزائے موت برقرار رکھی، زینب کے قاتل کو تختہ دار پر لٹکایا اور موٹروے ریپ کیس میں سخت سزائیں سنائیں۔ ان سے پہلے، ملک نواب پور میں اجتماعی زیادتی اور مظفر گڑھ میں مختاراں مائی پر ہونے والے حملے سے دہل چکا تھا۔ ہر بار، عوام غم و غصے کے ساتھ سڑکوں پر نکلے؛ ہر بار ریاست بربریت اور سخت سزاؤں کے درمیان ڈولتی رہی، لیکن معاشرے نے واضح اشارہ دیا کہ اس طرح کی بربریت کو اب مزید برداشت نہیں کیا جائے گا۔

لیکن تشدد جاری ہے۔ یہ دہلی سے لاہور تک پھیلا ہوا ہے، جو خاموش دیہی بستیوں اور بڑے شہروں دونوں جگہوں پر وقوع پذیر ہوتا ہے۔ یہ ایک ایسے آسیب کی طرح لگتا ہے جو پیچھا چھوڑنے کو تیار نہیں۔ اس کا تسلسل ہمیں یہ سوچنے پر مجبور کرتا ہے کہ کیا ہم اس بات کو سمجھنے میں ناکام رہے ہیں کہ ہم کس چیز کے خلاف لڑ رہے ہیں؟

عام بحث اکثر چند جانے پہچانے دلائل کے گرد گھومتی ہے۔ کچھ لوگ ریپ کو بے قابو خواہش کا نتیجہ قرار دیتے ہیں۔ دوسرے اخلاقی زوال یا عورتوں کے لباس کو قصوروار ٹھہراتے ہیں۔ ایک تیسرا گروہ جنسی گھٹن کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ ان میں سے ہر ایک میں سچائی کے کچھ اجزاء موجود ہیں، لیکن ان میں سے کوئی بھی پاکستان اور بھارت کے متعدد واقعات میں دکھائی دینے والی شدید بربریت کی وضاحت نہیں کرتا۔

جنسی محرومی یا گھٹن کی وضاحت اس وقت دم توڑ دیتی ہے جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ کون لوگ ان جرائم کا ارتکاب کرتے ہیں۔ مجرموں کی ایک بڑی تعداد کا تعلق نچلے اور اعلیٰ طبقے سے ہوتا ہے، جنہیں عام طور پر جنسی پابندیوں سے جوڑا نہیں جاتا۔ متوسط طبقہ، جو اپنے رویے کو زیادہ سختی سے منظم کرتا ہے، اس میں کم ملوث پایا جاتا ہے۔ اگر جنسی گھٹن ہی بنیادی وجہ ہوتی تو اس کا طریقہ کار مختلف ہوتا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسئلہ کہیں اور ہے۔

علمِ نفسیات اس معاملے میں ایک زیادہ مفید نقطۂ آغاز فراہم کرتا ہے۔ سوزن براؤن ملر نے استدلال کیا تھا کہ عصمت دری دراصل طاقت کا اظہار ہے۔ نِکولس گروتھ نے اس نظریے کو وسعت دیتے ہوئے ان محرکات کی نشاندہی کی جن کی جڑیں غصے، تسلط اور درد پسندی میں پیوست ہیں۔ ان کے کام نے ریپ کو ایک شبہِ جنسی (Pseudosexual) عمل کے طور پر نئے سرے سے متعارف کرایا — ایک ایسا عمل جس میں جنسی رویہ دراصل غیر جنسی محرکات جیسے کہ غیض و غضب اور تذلیل کا اظہار کرتا ہے۔ جدید فارنزک سائیکالوجی نے گروتھ کے خیالات کی نفی کرنے کے بجائے ان کو مزید واضح کیا ہے۔ میساچوسٹس ٹریٹمنٹ سینٹر (CenterTreatment Massachusetts) کی درجہ بندی کے مطابق مجرموں کو موقع پرست، غصیلے، درد پسند اور انتقامی زمروں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ یہ درجات اس بصیرت کو مزید گہرا کرتے ہیں کہ ریپ کا محرک طاقت اور جنسی بربریت ہے۔ زبان ضرور بدلی ہے، لیکن بنیادی محرکات وہی ہیں۔

صرف جنسی خواہش اس بات کی وضاحت نہیں کر سکتی کہ متاثرین پر تشدد کیوں کیا جاتا ہے، انہیں مسخ یا قتل کیوں کیا جاتا ہے؛ اور نہ ہی اس سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ بچوں، مکمل طور پر برقع پوش خواتین، مذہبی طالبات اور محروم طبقے کے افراد کو بالکل مختلف حالات میں نشانہ کیوں بنایا جاتا ہے۔

علمِ نفسیات اس معاملے میں ایک زیادہ مفید نقطۂ آغاز فراہم کرتا ہے۔ سوزن براؤن ملر نے استدلال کیا تھا کہ عصمت دری دراصل طاقت کا اظہار ہے۔ نِکولس گروتھ نے اس نظریے کو وسعت دیتے ہوئے ان محرکات کی نشاندہی کی جن کی جڑیں غصے، تسلط اور درد پسندی میں پیوست ہیں۔ ان کے کام نے ریپ کو ایک شبہِ جنسی (Pseudosexual) عمل کے طور پر نئے سرے سے متعارف کرایا — ایک ایسا عمل جس میں جنسی رویہ دراصل غیر جنسی محرکات جیسے کہ غیض و غضب اور تذلیل کا اظہار کرتا ہے۔ جدید فارنزک سائیکالوجی نے گروتھ کے خیالات کی نفی کرنے کے بجائے ان کو مزید واضح کیا ہے۔ میساچوسٹس ٹریٹمنٹ سینٹر کی درجہ بندی کے مطابق مجرموں کو موقع پرست، غصیلے، درد پسند اور انتقامی زمروں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ یہ درجات اس بصیرت کو مزید گہرا کرتے ہیں کہ ریپ کا محرک طاقت اور جنسی بربریت ہے۔ زبان ضرور بدلی ہے، لیکن بنیادی محرکات وہی ہیں۔

ایک مرد جو جنسی آسودگی چاہتا ہے اور ایک مرد جو تسلط حاصل کرنا چاہتا ہے، وہ بظاہر ایک ہی جسمانی عمل کا ارتکاب کرتے ہیں، لیکن ان کے محرکات میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ مؤخر الذکر (تسلط کی خواہش) اکثر اس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ جنوبی ایشیا میں ریپ کے اکثر واقعات میں بہیمانہ تشدد کیوں شامل ہوتا ہے۔ دہلی کا کیس اس کی ایک واضح مثال ہے۔ ایک مجرم نے خاتون کے لباس کو ذمہ دار ٹھہرایا، لیکن وہ حملہ صرف ریپ تک محدود نہیں تھا۔ وہ تشدد بظاہر جیوتی کی اطاعت نہ کرنے کی سزا تھی۔

عوامی بحث یہاں آ کر لڑکھڑا جاتی ہے۔ مختلف ممالک کے درمیان ریپ کی شرح کا موازنہ کرنے والے اعداد و شمار محرکات کے بارے میں کچھ نہیں بتاتے۔ مغرب کے بہت سے واقعات واقف کاروں کے درمیان رضامندی کی غلط فہمی سے متعلق ہوتے ہیں۔ ان میں شاذ و نادر ہی قتل شامل ہوتا ہے۔ جبکہ جنوبی ایشیائی واقعات میں اکثر ایسا ہوتا ہے۔ دونوں کے سیاق و سباق مختلف محرکات اور سماجی ماحول کے مرہونِ منت ہیں، اس لیے ان کا معنی خیز موازنہ نہیں کیا جا سکتا۔

اس کا جواب انفرادی نفسیات سے ہٹ کر خود معاشرے کے اندر چھپا ہو سکتا ہے۔ پاکستان اور بھارت کو نوآبادیاتی اور شدید طبقاتی اور نا مساوی طاقت کے ڈھانچے ورثے میں ملے ہیں۔ دونوں ممالک اکثریتی سیاست، بڑھتی ہوئی سماجی ناہمواریوں، اداروں پر کم ہوتے ہوئے اعتماد اور جبری طاقت کے عام ہونے سے متاثر ہیں۔ ایسے ماحول میں طاقت ایک ثقافتی قدر بن جاتی ہے۔ لوگ سیکھتے ہیں کہ انصاف پر طاقت غالب آتی ہے، اخلاقیات پر اتھارٹی بھاری ہے اور کمزوری کا مطلب استحصال کو دعوت دینا ہے۔

ریپ ایک وسیع تر سماجی نفسیات کا اظہار بن جاتا

ہے۔ یہ اسی ذہنیت کی عکاسی کرتی ہے جو اس وقت نظر آتی ہے جب طاقتور گروہ کمزوروں پر اپنی مرضی مسلط کرتے ہیں۔ شکل بدل جاتی ہے، لیکن اصول وہی رہتا ہے۔ ریاستیں عوام کی شمولیت کے بغیر فیصلے مسلط کرتی ہیں۔ اکثریت اقلیتوں کو ڈراتی دھمکاتی ہے۔ اشرافیہ جوابدہی سے بالاتر ہو کر کام کرتی ہے۔ امیر افراد اپنی مراعات کا فائدہ اٹھاتے ہیں۔ ہر جگہ یہی سبق دہرایا جاتا ہے: **طاقت اجازت دیتی ہے۔**

یہ نقطہ نظر ایک تضاد کو حل کرتا ہے۔ بہت سے مجرم معاشی طور پر محروم طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ روایتی نظریات اس بات کی وضاحت کرنے میں ناکام رہتے ہیں کہ سماجی طاقت سے محروم افراد ایسے جرائم کا ارتکاب کیوں کرتے ہیں جن کا بنیادی محرک طاقت بتایا جاتا ہے۔ یہ تضاد اس وقت ختم ہو جاتا ہے جب ہم تذلیل پر غور کرتے ہیں۔ وہ افراد جو مسلسل محرومی یا ناکامی کا تجربہ کرتے ہیں، وہ کسی دوسرے زیادہ کمزور فرد پر تسلط قائم کر کے ان احساسات کو الٹنے کے مواقع تلاش کر سکتے ہیں۔ ریپ ان کے لیے نفسیاتی طور پر معنی خیز بن جاتا ہے کیونکہ یہ عارضی طور پر ایک بے بس انسان کو طاقتور بنا دیتا ہے۔

عوامی بحث اکثر قابلِ توقع تشریحات میں تقسیم ہو جاتی ہے۔ کچھ لوگ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ یہ جرم جنسی محرومی سے جنم لیتا ہے۔ دوسرے اسے صنفی تنازع کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ تاہم، یہ مظہر ان میں سے کچھ بھی نہیں ہے۔ اس کی جڑیں طاقت کی غیر مساوی تقسیم میں پیوست ہیں۔ اس طبقاتی نظام کے سب سے نچلے درجے پر موجود بچے اور خواتین اس کا سب سے زیادہ نشانہ بنتے ہیں۔ ان کی کمزوری اسی طاقت کے ڈھانچے کی پیدا کردہ ہے جو سماجی زندگی کو کنٹرول کرتا ہے۔

یہ اجتماعی حملہ محض ایک جنسی عمل نہیں رہتا بلکہ ان افراد کی طرف سے طاقت کا ایک اجتماعی مظاہرہ بن جاتا ہے جو بصورتِ دیگر معاشرے میں کوئی طاقت نہیں رکھتے۔ یہ تشدد نفسیاتی طور پر ان کے لیے تسکین کا باعث بنتا ہے کیونکہ یہ علامتی طور پر مجرم کے اپنے بے بسی کے تجربات کو الٹ دیتا ہے۔ کم آمدنی والے مجرم اس "طاقت اور غصہ" کے ماڈل کی نفی نہیں کرتے، بلکہ اسے مزید تقویت دیتے ہیں۔

ریپ صرف ایک فوجداری انصاف کا مسئلہ نہیں ہے۔ یہ ان معاشروں کی ایک علامت ہے جہاں جبر کو عام سمجھا جاتا ہو، ادارے کمزور ہوں، احتساب انتخابی ہو اور طاقت اکثر قانون پر فتح حاصل کر لیتی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ صرف سخت سزائیں شاذونادر ہی کارآمد ثابت ہوتی ہیں۔ پھانسیاں عوام

یہ نقطہ نظر ایک تضاد کو حل کرتا ہے۔ بہت سے مجرم معاشی طور پر محروم طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ روایتی نظریات اس بات کی وضاحت کرنے میں ناکام رہتے ہیں کہ سماجی طاقت سے محروم افراد ایسے جرائم کا ارتکاب کیوں کرتے ہیں جن کا بنیادی محرک طاقت بتایا جاتا ہے۔ یہ تضاد اس وقت ختم ہو جاتا ہے جب ہم تذلیل پر غور کرتے ہیں۔ وہ افراد جو مسلسل محرومی یا ناکامی کا تجربہ کرتے ہیں، وہ کسی دوسرے زیادہ کمزور فرد پر تسلط قائم کر کے ان احساسات کو الٹنے کے مواقع تلاش کر سکتے ہیں۔ ریپ ان کے لیے نفسیاتی طور پر معنی خیز بن جاتا ہے کیونکہ یہ عارضی طور پر ایک بے بس انسان کو طاقتور بنا دیتا ہے۔ عوامی بحث اکثر قابلِ توقع تشریحات میں تقسیم ہو جاتی ہے۔ کچھ لوگ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ یہ جرم جنسی محرومی سے جنم لیتا ہے۔ دوسرے اسے صنفی تنازع کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ تاہم، یہ مظہر ان میں سے کچھ بھی نہیں ہے۔ اس کی جڑیں طاقت کی غیر مساوی تقسیم میں پیوست ہیں۔ اس طبقاتی نظام کے سب سے نچلے درجے پر موجود بچے اور خواتین اس کا سب سے زیادہ نشانہ بنتے ہیں۔ ان کی کمزوری اسی طاقت کے ڈھانچے کی پیدا کردہ ہے جو سماجی زندگی کو کنٹرول کرتا ہے۔

کے درد اور انصاف کے مطالبے کو تسکین دے سکتی ہیں، لیکن وہ ان ثقافتی اور نفسیاتی حالات کو بدلنے میں کوئی کردار ادا نہیں کرتیں جو ایسے جرائم کو جنم دیتے ہیں۔

جب تک عوامی بحث لباس، اخلاقیات یا جنسی گھٹن پر مرکوز رہے گی، ہم اس مظہر کو غلط سمجھتے رہیں گے۔ زیادہ اہم سوالات نفسیاتی اور سماجی ہیں۔ تسلط قائم کرنا اتنا پرکشش کیوں ہے؟ کمزور کی تذلیل کیوں برداشت کی جاتی ہے؟ جب مجرم کو قانون کا سامنا کرنا چاہیے تو متاثرہ فرد کو جانچ پڑتال کا سامنا کیوں کرنا پڑتا ہے؟ معاشرے طاقت کی قدر کیوں کرتے ہیں یہ جانتے ہوئے بھی کہ یہ تباہی پھیلاتی ہے۔؟

جب تک ان سوالات کا سامنا نہیں کیا جاتا، ریپ وہی شکل برقرار رکھے گا جو پورے جنوبی ایشیا میں نظر آ رہی ہے۔ یہ ایک گہرے ثقافتی بگاڑ کی علامت بنا رہے گا جس میں انصاف سے زیادہ طاقت کو عزت دی جاتی ہے اور انسانیت سے زیادہ تسلط کو پسند کیا جاتا ہے۔ اگر ریپ کا تعلق تسلط کے کلچر سے ہے تو اس کا حل صرف سخت سزاؤں تک محدود نہیں ہو سکتا۔ فوجداری انصاف خرابی کی علامات کا علاج کرتا ہے، اس کی بنیادی وجوہات کا نہیں۔

بڑا چیلنج ثقافتی ہے۔ معاشروں کو خام طاقت کے بجائے جواز، بے لگام اختیارات کے بجائے احتساب، اور تسلط کے بجائے ہمدردی کو سراہنا ہوگا۔ جو ادارے کمزوروں کی حفاظت میں ناکام رہتے ہیں، انہیں یہ ثابت کرنا ہوگا کہ کمزوری استحصال کا دعوت نامہ نہیں ہے۔ اسکول، مذہبی ادارے، خاندان اور سیاسی رہنما تمام تر طاقت اور رضامندی کے بارے میں رویوں کو تشکیل دیتے ہیں۔ عوامی بیانیے کو بدلنا ہوگا۔ جب بھی توجہ مجرم کے افعال سے ہٹ کر متاثرہ فرد کے کردار کی طرف جائے، معاشرے کو اسے دوبارہ اصل جرم پر مرکوز رکھنا چاہیے۔

بالآخر، ریپ کے خلاف جنگ ایک ذہنیت اور ایک نظریہ حیات کے خلاف جنگ ہے۔ ہر معاشرے کو یہ فیصلہ کرنا ہوگا کہ آیا وہ طاقت کی منطق کے تحت چلنا چاہتا ہے یا انصاف کی روح کے تحت۔ جہاں طاقت کی پرستش کی جاتی ہو، وہاں کمزور بالآخر مختلف قسم کے مظالم کا شکار بن جاتے ہیں۔ کبھی ان کی محنت کا استحصال کیا جاتا ہے۔ کبھی ان کی آوازوں کو خاموش کر دیا جاتا ہے۔ کبھی ان کے جسم وہ مقام بن جاتے ہیں جہاں تسلط کا مظاہرہ کیا جاتا ہے۔

جب تک ہم اس کلچر کو چیلنج نہیں کرتے، ہم علامات کو ہی وجوہات سمجھنے کی غلطی کرتے رہیں گے۔ ریپ کا المیہ صرف یہ نہیں ہے کہ یہ اپنے متاثرین کے ساتھ کیا کرتا ہے، بلکہ یہ بھی ہے کہ یہ اس معاشرے کے چہرے کو بے نقاب کرتا ہے جو اسے جنم دیتا ہے۔

اس تناظر میں، ریپ کو تسلط قائم کرنے، دبے ہوئے غصے کو نکالنے، یا طاقت کے اس احساس کو دوبارہ حاصل کرنے کے لیے بغیر رضامندی کے کسی جسم کی پامالی کے طور پر سمجھا جا سکتا ہے جسے زندگی نے بصورتِ دیگر نفی کر دیا ہو۔ یہ کوئی جنسی عمل نہیں ہے بلکہ ایک ایسا لمحہ ہے جس میں مجرم ایک دوسرے انسان کو اپنی ناامیدیوں، تذلیل اور کنٹرول کی خواہشات کا ذریعہ بنا لیتا ہے۔

اس کے پیچھے کارفرما گہری نفسیاتی قوتیں خود مجرموں کے لیے ناپید ہو سکتی ہیں، لیکن انہیں طاقت اور غصے کی نفسیات کے ذریعے سمجھا جا سکتا ہے۔ جب تک طاقت اور غصے کا یہ تعلق قائم رہے گا، یہ بربریت کے نئے واقعات کی شکل میں خود کو دہراتا رہے گا۔

انگریزی سے ترجمہ، بشکریہ دی نیوز پاکستان

مصنف جمہوریہ آئرلینڈ میں ایک پرنسپل کلینیکل ماہر نفسیات ہیں۔ ان سے
akhtharalisyed@gmail.com
پر رابطہ کیا جا سکتا ہے۔

یورپین یونین کی پاکستان بارے حالیہ جائزہ رپورٹ

ڈاکٹر الفریڈ چارلس

یورپین یونین نے پاکستان کے بارے میں اپنی تین سالہ مدتی جائزہ رپورٹ ماہ جولائی میں جاری کردی ہے۔اس مفصل رپورٹ میں پاکستان کی معیشت اور یونین کی جانب سے عطا کردہ جی ایس پی پلس حیثیت کے جاری رکھنے کے تناظر میں حالات وواقعات کی روشنی میں بیان کردہ زمینی حقائق کے پیش نظر اپنی سفارشات پیش کی ہیں۔رپورٹ کے متن کو پڑھنے کے بعد معیشت اور انسانی حقوق پر گہری نظر رکھنے والے افراد کو اس پر قطعاً کوئی حیرانگی نہیں ہوئی۔ملکی معیشت اور انسانی حقوق کی خراب صورتحال سے سب واقف ہیں جس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ساتھ ہی افسوس کا مقام ہے کہ پے در پے ایسے واقعات سامنے آتے ہیں جس سے معیشت و انسانی حقوق کی دگرگوں مثالیں سامنے آتی رہتی ہیں جس کا بین الاقوامی ادارے نوٹس لیتے ہیں۔یورپین یونین کی رپورٹ اس لحاظ سے قدرے اہمیت کی حامل ہے کہ اس سے ہمارے تجارتی مفادات جڑے ہوئے ہیں۔پاکستان کو بڑی مشکل کے بعد جی ایس پی پلس کا درجہ ملا جس کی مدد سے اس کو برآمد کی مد میں خاص محصولاتی چھوٹ ملی ہوئی ہے۔پاکستان کو ٹیرف کے مطابق جو سہولت میسر ہے اس کی مالیت ملین آف یوروز ہے۔اس حیثیت کو خاصی تگ ودو کے بعد اور سیاسی روابط واثرورسوخ استعمال کرکے حاصل کیا گیا ہے۔لیکن موجودہ ملکی حالات سے اس بات کی تلوار سر پر لٹک رہی ہے کہ اس حیثیت کا تادیر برقرار رہنا ناممکن نظر آتا ہے۔جہاں یہ صورتحال ہے وہیں ملک میں معیشت تو عدم استحکام کا شکار ہے اور اس کے اشاریے ڈاواں ڈول ہیں تو دوسری جانب انسانی حقوق سے متعلق بھی کوئی اچھی و نیک شگون اطلاعات سامنے نہیں آتیں۔

بدقسمتی سے ہم اس بات کے عادی ہوچکے ہیں کہ کسی بھی طرح بہتری کی سمت میں سفر کرنا ہی نہیں چاہتے اور دیکھا جائے کی روش اپناتے ہیں کہ سَتے ای خیراں ہیں۔ہماری مثال بھی اسی شترمرغ کی مانند ہے جو ریت میں سر دبا کر سمجھتا ہے کہ طوفان نہ آئے گا! پھر یہ بھی کہ سب چلتا ہے اور اسی طرح چلتا ہے کی سوچ بھی نہ تو آگے بڑھنے دیتی ہے اور نہ ہی سدھار و بہتری کا کوئی راستہ سامنے آتا ہے۔پھر ہم اس کبوتر کی مانند ہیں جو بلی کو دیکھ کر آنکھیں بند کرلیتا ہے کہ وہ اس کو نہیں کھائے گی! یورپین یونین کی جائزہ رپورٹ کے مندرجات بھی کچھ ایسے ہی ہیں کہ جن سے واقف ہونے کے باوجود بھی ہم اپنی روش تبدیل کرنے کو تیار نہیں اور معاملات جوں کے توں ہونے کے ساتھ اب گھمبیر وسنگین ہوتے چلے جارہے ہیں۔ہمارا خیال ہوتا ہے کہ اگر ایسے اکا دکا واقعات رپورٹ ہو بھی جاتے ہیں تو کوئی بات نہیں۔تاہم ہم یہ بات بھول جاتے ہیں کہ یہ اب گئے زمانے کی بات نہیں رہی کہ جب خبر عام ہونے میں وقت لگتا تھا۔اب تو جدید مواصلاتی نظام خصوصاً انٹرنیٹ کی موجودگی میں اگر کوئی بات مرکزی دھارے کے ذرائع ابلاغ میں نشر نہ بھی ہو تو موبائل کی مدد سے خبر بمعہ فوٹیج فوراً وائرل ہوجاتی ہے۔یورپین یونین کی رپورٹ انہی نقاط کا احاطہ کرتی ہے جو پہلے بھی سامنے آکر زیر بحث رہے ہیں۔مثلاً قانون توہین مذہب کا بڑھتا ہوا بے جا استعمال جس سے ہزاروں افراد متاثر ہوتے ہیں اور یہ سلسلہ تسلسل کے ساتھ جاری وساری ہے۔اقلیتوں کے خلاف بڑھتی ہوئی پرتشدد کارروائیاں جس میں جانی ومالی نقصان سامنے آتا رہتا ہے۔اقلیتوں کی عبادت گاہوں اور دیگر املاک پر حملے اور توڑ پھوڑ کے نہ تھمنے والے واقعات۔جبری اغواء وتبدیلی مذہب کے سنگین معاملات جن میں جبری شادیوں کا عنصر بھی شامل ہے۔

دوسری جانب یونین نے جس معاملے پر توجہ مرکوز کی ہے وہ جبری گمشدگیوں کا سنگین نوعیت کا معاملہ ہے۔اس قسم کے زیادہ تر کیس شورش زدہ صوبہ بلوچستان سے رپورٹ ہوتے ہیں لیکن اب یہ سندھ و کے پی کے میں بھی بکثرت رپورٹ ہورہے ہیں۔ ملکی سیاست میں عدم استحکام کی روشنی میں خاص تناظر میں سیاسی کارکنوں پر ہونے والے تشدد کو بھی واضح طور دیکھا اور سامنے لایا گیا ہے۔اسی طرح آزادی اظہار رائے کی قدغنوں کو بھی نوٹ کیا گیا ہے اس کے تدارک کی بابت سفارشات مرتب کی گئی ہیں۔مذہبی آزادیوں کے متعلق بھی جامع ومفصل رپورٹ دی گئی ہے۔سب کے علم میں ہے کہ ملک میں آزادی رائے کا کیا حال احوال ہے جس سے عام شہری اور صحافی بطور خاص شدید متاثر ہیں۔کسی بھی معاملے پر آواز اٹھانے والے کو ہی اٹھالینا معمول کی بات ہے۔زیادہ عوامی مفاد کی بات کرنے والے یا انسانی حقوق کی پامالیوں کے خلاف بات کرنے والوں اور سیاسی تجزیہ نگاروں کے سروں پر پیکا قانون کی تلوار لٹکتی رہتی ہے جس کے کئی ایک براہ راست متاثرین سامنے آتے رہتے ہیں۔ایسے میں سیاسی وسماجی طور پر بطور خاص کارکنان کے لئے گھٹن کا ماحول پروان چڑھتا ہے جس سے ملک کا منفی تاثر ابھرتا ہے۔اس کے بارے میں اگر کوئی بات کرے تو وہ ریاست مخالف گردانا جاتا ہے اور اس کی زندگی اجیرن کردی جاتی ہے۔زیرعتاب افراد پر مقدمات قائم کردیے جاتے ہیں جن کو وہ بطور عذاب بھگتے رہتے ہیں۔ریاست کئی ایک بین الاقوامی معاہدوں پر دستخط کرکے اس بات کی پابند ہے کہ وہ کسی قسم کی خلاف ورزی میں ملوث نہ ہو لیکن اس کی پاسداری نہیں کی جاتی۔

اب دیکھا جائے تو جی ایس پی پلس حیثیت کو اس ضمن میں واضح طور پر خطرہ لاحق ہے۔ڈاواں ڈول اور ڈوبتی معیشت کیا یہ جھٹکا سہہ پائے گی؟ جواب گرچہ نفی میں ہے لیکن پھر بھی ہم سدھار کی طرف جانے والے نہیں ہیں۔یورپین یونین نے جو سفارشات پیش کی ہیں اگر ان پر من وعن عمل نہ ہوا تو ایک طرف تو ملکی ساکھ داؤ پر لگ جائے گی اور دوسری جانب ملین یوروز کا نقصان بھی اٹھانا پڑے گا۔لہذا یہی وقت ہے کہ ریاست اور حکومت دونوں بیک وقت اس سنجیدہ مسئلے پر قدرے سنجیدگی کا عملی مظاہرہ کریں۔یورپی یونین نے واضح کیا ہے کہ قوانین تو موجود ہیں لیکن ان پر عدم عمل درآمد بڑا مسئلہ ہے۔اس رپورٹ کی مدد سے جن امور کی جانب توجہ مبذول کروائی گئی ہے ان کو سامنے رکھ کر موثر حکمت عملی اپنانے کی اشد ضرورت ہے۔سب سے بڑھ کر انسانی حقوق خصوصاً اقلیتوں کے معاملات میں فوراً بہتری لائی جائے۔اگر یورپی یونین نے واضح طور پر کہا ہے کہ قانون توہین مذہب کے جھوٹے کیسوں کے اندراج کو روکا جائے تو اس پر وزارت انسانی حقوق اور وزارت مذہبی امور، بین المذاہب ہم آہنگی اور اقلیتی امور کو باہمی طور پر مربوط طریقہ کار اپناتے ہوئے مثبت انداز سے کام کرنے کی ضرورت ہے۔اگر سفارش کی گئی ہے کہ جھوٹے مقدمے کے اندراج کو قابل تعزیر بنایا جائے تو اس کو عملی مثال بنایا جانا چاہیے۔یونین کا یہ کہنا درست ہے کہ قوانین تو موجود ہیں لیکن ان پر صدق دل سے اور درست طور طریقے سے عمل درآمد کا فقدان ہے جو صورتحال کو مزید بگاڑ رہا ہے۔

اپنی سفارشات میں یونین کا کہنا ہے کہ ریاست کو اقلیتوں کے خلاف بڑھتے ہوئے تشدد کو روکنے کے لئے بروقت اقدامات کرنے کی ضرورت ہے۔اس سلسلہ میں صفر برداشت پالیسی اپنائی جانی چاہیے۔بدقسمتی سے اس بارے میں حکومت سنجیدگی سے کچھ نہیں کرتی اور جب اقلیتوں کے خلاف اس قسم کی کارروائیاں سامنے آتی ہیں تو محض رواجی بیانات سامنے آتے ہیں کہ ہرگز اجازت نہیں دی جائے گی یا سختی سے نمٹا جائے گا اور برداشت نہیں کیا جائے گا اور آہنی ہاتھوں سے نمٹا جائے گا۔ یہ لفاظی سن سن کر کان پک گئے ہیں اور پھر سے ایک اور نیا واقعہ رونما ہوجاتا ہے۔اس کے علاوہ یونین نے ملک میں مزدوروں کے حالات پر بھی بات کی ہے اور ان میں بہتری لانے کا کہا ہے۔اسی طرح بچہ مزدوری کی روک تھام میں یکسر ناکامی کو بھی اجاگر کیا گیا ہے۔یہ معاملہ بھی اس لحاظ سے فوری توجہ چاہتا ہے کہ پاکستان نے بین الاقوامی ادارہ محنت کی مزدوروں کے حقوق سے متعلق دستاویز پر دستخط کررکھے ہیں جس کے نفاذ کا پاکستان قانونی واخلاقی طور پر پابند ہے۔گو ملک میں ٹریڈ یونین اور اجتماعی سودے کار ایجنٹ کا تصور ختم ہوچکا لیکن پھر بھی مزدور تنظیمیں اپنے حقوق کی پامالیوں پر آواز بلند کرتی رہتی ہیں۔حکومت کو چاہیے کہ وہ اپنی ساکھ کی بحالی اور جی ایس پی پلس حیثیت سے ممکنہ محرومی کی روک تھام کے لئے ضروری اقدامات فوری طور پر شروع کرے ورنہ اس کو اس محاذ پر بھی سبکی اور معاشی طور پر نقصان کا سامنا ہوگا۔

(بشکریہ ہم سب)

ڈاکٹر الفریڈ چارلس پاکستان میں اقلیتوں کے حقوق کے کارکن ہیں اور سیاسی، سماجی، معاشی، اور تاریخی موضوعات پر مضامین لکھتے ہیں۔ ان سے alfredcharles@live.com پر رابطہ کیا جاسکتا ہے۔

مکالمہ: ٹرانس جینڈر افراد کو سمجھنے کی ایک کوشش

عدیل اشرف

راجو: یار اعظم، تم ٹرانس جینڈر لوگوں کے بارے میں کیا جانتے ہو؟

اعظم: راجو یار، ٹرانس جینڈر وہی ہوتے ہیں نا جو مرد بچے پیدا نہیں کر سکتے اور پھر عورت بن جاتے ہیں؟

راجو: یعنی تمہارے خیال میں عورت ہونا کسی مرد کے لیے کم تر ہونا ہے؟

اعظم: نہیں، میرا وہ مطلب نہیں تھا۔ بس یہی سنا تھا۔ تم ہی بتاؤ۔

راجو: اعظم، ٹرانس جینڈر وہ لوگ ہوتے ہیں جو پیدائش کے وقت مرد، عورت یا بعض اوقات انٹرسیکس حالت میں پیدا ہوتے ہیں، لیکن بڑے ہونے کے ساتھ انہیں محسوس ہوتا ہے کہ ان کی اندرونی صنفی شناخت، یعنی وہ خود کو کس جنس سے وابستہ محسوس کرتے ہیں، پیدائش کے وقت دی گئی جنس سے مختلف ہے۔

اعظم: یعنی موبائل، ٹی وی اور انٹرنیٹ کی وجہ سے بچے ایسے ہو جاتے ہیں؟

راجو: نہیں بھائی۔ آج تک کوئی سائنسی تحقیق یہ ثابت نہیں کر سکی کہ موبائل، ٹی وی یا انٹرنیٹ کسی کو ٹرانس جینڈر بنا دیتے ہیں۔ سائنس کے مطابق اس کی مختلف ممکنہ وجوہات ہو سکتی ہیں، جیسے حمل کے دوران ہارمونز کا اثر، دماغ کی نشوونما، جینیاتی عوامل یا کروموسومز میں فرق۔ اس پر تحقیق اب بھی جاری ہے۔

اعظم: تو کیا یہ صرف فیشن یا شوق ہوتا ہے؟

راجو: ذرا سوچو۔ اگر یہ صرف فیشن ہوتا تو کیا کوئی اپنی فیملی، گھر، تعلیم، نوکری، عزت اور کبھی اپنی جان تک خطرے میں ڈال دیتا؟ پاکستان میں بہت سے ٹرانس جینڈر افراد کو گھر سے نکال دیا جاتا ہے، روزگار نہیں ملتا اور ہر روز نفرت اور تشدد کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ کوئی صرف فیشن کے لیے اتنا مشکل راستہ نہیں چنتا۔

اعظم: یار، سب ان کو "خسرا"، "زنخہ" اور نہ جانے کیا کیا کہتے ہیں۔ کوئی نہ کوئی وجہ تو ہوگی؟

راجو: یہ نام معاشرے نے دیے ہیں۔ جیسے ہم مختلف ذاتوں، نسلوں، زبانوں، رنگ، قد یا جسمانی ساخت رکھنے والے لوگوں کے بارے میں مختلف تعصبات رکھتے ہیں، ویسے ہی صنفی اقلیتوں کے لیے بھی توہین آمیز الفاظ بنا لیے گئے ہیں۔ کسی کو ایسے نام سے پکارنا اس کی حقیقت نہیں، صرف ہمارا رویہ ظاہر کرتا ہے۔

اعظم: یار، اسلام میں تو یہ جائز نہیں۔

راجو: اعظم، میرا خیال ہے ہم نے یہاں اسلام کا نام حقیقت جانے بغیر اور تحقیق کیے بغیر شامل کر لیا ہے۔ اسلام کسی بھی انسان کو بلا وجہ تکلیف دینے یا اس کی تذلیل کرنے کی تعلیم نہیں دیتا۔ قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی جان پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔ اب ذرا سوچو، ایک بچہ جو ہوش سنبھالتے ہی اس کشمکش میں مبتلا ہو جائے کہ وہ پیدا تو لڑکا ہوا تھا لیکن خود کو لڑکی محسوس کرتا ہے، یا پیدا تو لڑکی ہوئی تھی لیکن خود کو لڑکا محسوس کرتی ہے۔ یہ ایک دو دن کا خیال نہیں ہوتا بلکہ برسوں پر محیط ایک آزمائش ہوتی ہے۔ یہی احساس بعض لوگوں کو اس قدر اندر سے توڑ دیتا ہے کہ وہ اپنی جان لینے تک کا سوچنے لگتے ہیں۔ انسان صبر بھی تبھی کر سکتا ہے جب اسے امید ہو کہ کبھی نہ کبھی اس کی تکلیف کم ہوگی۔

اعظم: لیکن سب کہتے ہیں کہ یہ تو ایل جی بی ٹی ایجنڈا ہے۔

راجو: اعظم، ایل جی بی ٹی بنیادی طور پر مغرب میں شروع ہونے والی ایک حقوق کی تحریک تھی، جس میں ہم جنس پرست افراد نے صحت، روزگار اور دیگر بنیادی حقوق کے لیے آواز اٹھائی۔ بعد میں وہاں کے ٹرانس جینڈر افراد بھی اپنی شناخت اور حقوق کے مطالبات کے ساتھ اس تحریک میں شامل ہوئے۔ چونکہ امریکہ اور مغرب کی خبریں پوری دنیا میں پھیلتی ہیں، اس لیے یہ تحریک بھی عالمی سطح پر معروف ہو گئی۔ لیکن پاکستان میں خواجہ سرا برادری کی اپنی الگ تاریخ اور شناخت ہے، اس لیے یہاں ہر ٹرانس جینڈر شخص کو ایل جی بی ٹی تحریک سے جوڑ دینا درست نہیں۔

اعظم: لیکن روز سوشل میڈیا پر تو اچھے خاصے لڑکے لڑکی بنتے نظر آتے ہیں۔

راجو: انٹرنیٹ پر اگر چند لوگ ایسا کرتے بھی ہوں، یا مان لو وہ واقعی ٹرانس جینڈر ہوں، تو کیا صرف ان کی بنیاد پر تم پوری ٹرانس جینڈر، انٹرسیکس اور صنفی اقلیتوں کی کمیونٹی کے بارے میں فیصلہ کر دو گے؟

اعظم: ہاں... پتہ نہیں۔

راجو: یہ تو ایسے ہی ہے جیسے کسی ایک قاتل مرد کی وجہ سے تمام مردوں کو مجرم قرار دے دیا جائے۔

اعظم: لیکن یہ خواجہ سرا خود بھی تو معاشرے میں گندگی پھیلاتے ہیں۔ ہر جگہ بھیک مانگتے ہیں یا جسم فروشی کرتے ہیں۔

راجو: یہ غلط ہے اور اس کی کوئی توجیہ نہیں دی جا سکتی۔ لیکن ایک لمحہ سوچو، اگر تمہیں تمہارا خاندان گھر سے نکال دے، کوئی تعلیم نہ ملے، کوئی ملازمت نہ دے، ہر جگہ ذلت اور نفرت ملے، تو زندہ رہنے کے لیے تمہارے پاس کتنے راستے بچیں گے؟ بہت سے لوگوں کے لیے بھیک مانگنا یا جسم فروشی مجبوری بن جاتی ہے، انتخاب نہیں۔

اعظم: تو پھر یہ اپنا علاج کروا کر عام مرد یا عورت کیوں نہیں بن جاتے؟

راجو: پہلے مجھے یہ بتاؤ، کیا مرد ہونا برتری ہے یا عورت ہونا کمزوری؟

اعظم: نہیں، دونوں برابر ہیں۔

راجو: اچھا، اگر تم سے کہا جائے کہ اگلے ایک سال عورت کی طرح زندگی گزارو، کیا تم گزار سکو گے؟

اعظم: ہرگز نہیں۔ اس لیے نہیں کہ عورت ہونا غلط ہے، بلکہ اس لیے کہ میں خود کو مرد محسوس کرتا ہوں۔

راجو: بالکل۔ کیونکہ تمہارا ذہن یہ ماننے کو تیار ہی نہیں کہ تم عورت ہو۔ اب ذرا سوچو، اگر کسی شخص کا ذہن یہ ماننے کو تیار ہی نہ ہو کہ وہ وہی جنس ہے جو اسے پیدائش کے وقت دی گئی تھی۔ سوچو، وہ ہر دن، ہر لمحہ کیسی ذہنی کشمکش میں جیتا ہوگا۔

اعظم: تو یہ دماغی مسئلہ ہوا نا۔ پھر انہیں دماغ کا علاج کروانا چاہیے۔

راجو: یقیناً اس کا تعلق ذہنی کیفیت سے ہے، اسی لیے دنیا بھر میں اس پر دہائیوں سے تحقیق ہو رہی ہے۔ مختلف علاج آزمائے گئے، جن میں صرف نفسیاتی علاج، ادویات اور دیگر طریقے بھی شامل تھے، لیکن موجودہ طبی رہنما اصولوں کے مطابق ہر فرد کا علاج اس کی حالت کے مطابق کیا جاتا ہے۔ بعض افراد صرف سماجی طور پر اپنی شناخت کے مطابق زندگی گزارتے ہیں، بعض ہارمون تھراپی لیتے ہیں اور بعض مخصوص طبی مراحل سے گزرتے ہیں۔ مقصد یہی ہوتا ہے کہ انسان اپنی شناخت کے مطابق کم تکلیف دہ اور زیادہ باوقار زندگی گزار سکے۔

اعظم: یعنی دماغ کو بدلنے کے بجائے انسان کو اس کی شناخت کے مطابق زندگی گزارنے میں مدد دی جاتی ہے؟

راجو: بالکل، یہی بات ہے۔

اعظم: لیکن کیا وہ مکمل عورت یا مکمل مرد بن جاتے ہیں؟

راجو: اعظم، مکمل مرد یا مکمل عورت کسے کہتے ہیں؟ بہت سی عورتیں اولاد پیدا نہیں کر سکتیں، کیا وہ عورت نہیں رہتیں؟ بہت سے مرد باپ نہیں بن سکتے، کیا وہ مرد نہیں رہتے؟ اللہ نے ہر انسان کو مختلف بنایا ہے۔ انسان کی قدر اس کی انسانیت سے ہوتی ہے، صرف جسمانی صلاحیتوں سے نہیں۔

اعظم: کیا کسی اسلامی ملک میں بھی ایسے لوگوں کو حقوق حاصل ہیں؟

راجو: جی ہاں۔ مختلف اسلامی ممالک میں اس حوالے سے مختلف قوانین اور روایات موجود ہیں۔ پاکستان میں ٹرانس جینڈر کمیونٹی کی اکثریت روایتی خواجہ سرا ثقافت سے جڑی ہوئی ہے، جس کی تاریخ برصغیر کی صدیوں پرانی سنسکرت اور مقامی تہذیبی روایات سے ملتی ہے۔ اسی روایت کی وجہ سے بہت سے خواجہ سرا خود کو مرد یا عورت کے بجائے ایک الگ صنفی شناخت کے طور پر دیکھتے ہیں۔

دوسری طرف ایران ایک مختلف مثال ہے۔ وہاں امام خمینی کے فتوے کے بعد، مخصوص طبی اور شرعی مراحل سے گزرنے والے افراد کو جنس کی تصدیق کے بعد قانونی طور پر مرد یا عورت کی حیثیت سے زندگی گزارنے کی اجازت دی جاتی ہے۔ یعنی وہاں تیسری جنس کے بجائے، قانونی طور پر مرد یا عورت کی شناخت اختیار کرنے کا نظام موجود ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مختلف اسلامی معاشروں نے اس مسئلے کو اپنے اپنے تاریخی، مذہبی اور سماجی تناظر میں مختلف انداز سے سمجھا اور قانون سازی کی ہے۔

اعظم: شکریہ یار راجو۔ آج واقعی میری بہت سی غلط فہمیاں دور ہو گئیں۔

راجو: بس یہی مقصد تھا۔ کسی بھی انسان کے بارے میں رائے بنانے سے پہلے اس کی زندگی، اس کی تکلیف اور حقیقت کو جاننے کی کوشش ضرور کرنی چاہیے۔ اختلاف ہو سکتا ہے، لیکن عزت ہر انسان کا حق ہے۔

عدیل اشرف آسٹریلیا میں مقیم ایک ڈاکٹر ہیں، جو اکثر سماجی اور دیگر موضوعات پر لکھتے ہیں۔

بزرگ شہری پر مبینہ پولیس تشدد

خیبر حیات آباد پولیس کی جانب سے ضلع خیبر کی تحصیل باڑہ سے تعلق رکھنے والے ایک بزرگ پر مبینہ جسمانی تشدد کی ویڈیو سوشل میڈیا پر وائرل ہوئی، جس پر شہریوں اور سماجی حلقوں کی جانب سے شدید ردعمل سامنے آ رہا ہے۔ باڑہ سب ڈویژن کے عمائدین نے واقعے کی شفاف تحقیقات اور ذمہ دار اہلکاروں کے خلاف کارروائی کا مطالبہ کیا ہے۔ متاثرہ بزرگ شہری ہادی خان نے میڈیا سے گفتگو کرتے ہوئے بتایا کہ ان کا بیٹا لاپتا ہے، جس کی تلاش میں وہ باغِ ناران گئے تھے۔ ان کے مطابق وہاں موجود پولیس کے دو اہلکاروں نے انہیں حراست میں لے کر ان پر منشیات فروشی کا الزام عائد کیا اور مبینہ طور پر انہیں بدترین تشدد کا نشانہ بنایا۔ انہوں نے مزید بتایا کہ تھانے میں پہلے سے گرفتار افراد نے ان کی رہائی کے لیے چندہ جمع کر کے پولیس کو مبینہ طور پر رشوت دی، جس کے بعد انہیں رہا کیا گیا۔ ہادی خان کا کہنا تھا کہ انہیں بغیر کسی جرم کے گرفتار کیا گیا، جسمانی تشدد کا نشانہ بنایا گیا اور ان سے مبینہ طور پر رشوت بھی لی گئی۔ انہوں نے الزام عائد کیا کہ اس واقعے میں ایس ایچ او کامران بھی ملوث ہیں۔ انہوں نے وزیراعلیٰ خیبر پختونخوا سے واقعے کا نوٹس لینے، شفاف تحقیقات کرانے اور انہیں انصاف فراہم کرنے کا مطالبہ کیا۔ (منظور آفریدی)

ہسپتال تباہی کے دہانے پہنچ گیا

میانوالی مکڑوال عیسیٰ خیل، ضلع میانوالی میں مائنز لیبر ویلفیئر سے متعلق ملنے والی تفصیلات کے مطابق، انتظامی غفلت اور عملہ کی شدید کمی سے 6000 ہزار کوئلہ مزدور علاج کی سہولیات سے محروم ہیں۔ مزدوروں کے راہنما زاہد اقبال ملاخیل نے مائنز لیبر ویلفیئر ہسپتال مکڑوال ضلع میانوالی کی ابتر صورتحال پر شدید تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ہسپتال انتظامیہ غفلت اور من پسند تبادلوں کے باعث تباہی کے دہانے پر پہنچ گئی ہے۔ انہوں نے ورکر ویلفیئر بورڈ کی منظوری کے باوجود نئی بھرتیاں نہیں کیں، جبکہ پہلے سے موجود عملے کو بھی سفارشات پر ٹرانسفر کیا جا رہا ہے۔ اس وقت ہسپتال میں 11 آسامیاں خالی ہیں۔ چھ ہزار مزدوروں کے لئے صرف ایک میل ڈاکٹر ایک نرس، ایک ڈسپنسر اور ایک وارڈ سرونٹ موجود ہے۔ ہسپتال میں ایکسرے ٹیکنیشن اور فی میل سٹاف نہ ہونے کی وجہ سے خواتین مریضوں کو شدید مشکلات کا سامنا ہے۔ انہوں نے حکام سے ہسپتال میں لیڈی ڈاکٹر و دیگر پیرامیڈیکل عملہ تعینات کرنے کی اپیل کی ہے۔ (محمد رفیق)

کشمیر احتجاج میں ہوئی ہلاکتوں کی غیر جانبدارانہ تحقیقات کا مطالبہ

اقوام متحدہ کے ہائی کمشنر برائے انسانی حقوق وولکر ترک نے پاکستان کے زیر انتظام کشمیر میں رواں ماہ ہونے والے انتخابات سے قبل بے چینی اور احتجاجی لہر کے تناظر میں تحمل سے کام لینے اور کشیدگی کم کرنے کی اپیل کی ہے۔ اطلاعات کے مطابق، 27 جولائی کو ہونے والے قانون ساز اسمبلی کے انتخابات سے قبل ہونے والے احتجاجی مظاہروں میں جون سے اب تک درجنوں افراد ہلاک ہو چکے ہیں جن میں مظاہرین کے علاوہ سکیورٹی اہلکار بھی شامل ہیں۔ اقوام متحدہ کے دفتر برائے انسانی حقوق (او ایچ سی ایچ آر) کے ترجمان جیریمی لارنس کی جانب سے جاری کردہ بیان کے مطابق، ہائی کمشنر نے مطالبہ کیا ہے کہ احتجاج کے دوران مظاہرین اور سکیورٹی اہلکاروں سمیت تمام لوگوں کی ہلاکتوں کی فوری، مکمل اور غیر جانبدارانہ تحقیقات کرائی جائیں۔

حقوق کی پامالی کے سنگین خدشات

پاکستان کے زیر انتظام کشمیر میں احتجاجی تحریک کی قیادت کرنے والی جوائنٹ عوامی ایکشن کمیٹی میں تاجر، ٹرانسپورٹر، طلبہ، وکلا، سماجی کارکن اور دیگر طبقات شامل ہیں جسے حکومت نے عوامی نظم ونسق اور سلامتی کے لیے مبینہ خطرہ قرار دیتے ہوئے انسداد دہشت گردی کے قوانین کے تحت کالعدم قرار دے دیا ہے جبکہ اس کے متعدد رہنماؤں کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔ ہائی کمشنر کا کہنا ہے کہ سول سوسائٹی کی کسی تنظیم کو مجرمانہ قرار دینا اور عوامی اجتماعات پر سخت پابندیاں عائد کرنا، اظہار رائے، پرامن اجتماع اور تنظیم سازی کی آزادی جیسے بنیادی حقوق کی خلاف ورزی سے متعلق سنگین خدشات کو جنم دیتا ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ گرفتار کیے گئے رہنماؤں کو اپنے وکلا سے رابطے اور اہل خانہ تک رسائی کی مکمل سہولت فراہم کی جانی چاہیے۔ علاوہ ازیں، ان کے قانونی حقوق، منصفانہ عدالتی کارروائی اور شفاف ٹرائل کی مکمل ضمانت بھی یقینی بنائی جائے۔

انٹرنیٹ پر پابندیاں اٹھانے کا مطالبہ

وولکر ترک نے کہا ہے کہ علاقے میں انٹرنیٹ تک رسائی پر عائد پابندیاں بھی باعث تشویش ہیں۔ اس سے اظہار رائے کی آزادی، خصوصاً معلومات حاصل کرنے، انہیں وصول کرنے اور دوسروں تک پہنچانے کے حق پر غیر متناسب قدغن عائد ہوتی ہے جبکہ علاقے میں پہلے ہی کشیدگی کی صورتحال ہے۔ حکام کو چاہیے کہ وہ علاقے میں انٹرنیٹ کی مکمل بحالی کو یقینی بنائیں۔ ہائی کمشنر نے زور دیا ہے کہ مقامی آبادی کے بنیادی مسائل اور شکایات کو حل کرنے کے لیے بامعنی، جامع اور تمام متعلقہ فریقین کی شمولیت سے سیاسی مکالمہ شروع کیا جائے۔

بشکریہ یو این خبرنامہ)

شہریوں کو مشکلات کا سامنا

نوشکی نوشکی میں 28 جولائی کو مسلح تنظیم کے افراد نے بدل کاریز کراس اور غریب آباد بائی پاس سیکورٹی فورسز کی چوکیوں پر فائرنگ کی۔ سیکورٹی فورسز نے جوابی فائرنگ کی جس سے علاقے میں بھگدڑ مچ گئی اور شہری خوف زدہ ہو گئے۔ دیہی علاقوں سے آنے والے افراد بالخصوص خواتین اور بچوں کو مشکلات سے دوچار ہونا پڑا۔ دکانداروں نے دکانیں بند کر دی جس سے سڑکیں ویران اور سنسان ہو گئیں۔ صوبائی حکومت نے نوشکی 31 جولائی تک نوشکی میں کرفیو لگا دیا اور ٹرانسپورٹ بھی بند کر دی۔ شہریوں کو اشیاء خورد ونوش روزمرہ زندگی کے ضروریات، مریضوں کو ادویات شیرخوار بچوں کو دودھ کے حصول میں مشکلات کا سامنا رہا۔ نوشکی کے اکثر علاقوں میں شہری آبپاشی کے ٹینکر کا پانی خریدتے ہیں۔ کرفیو کی وجہ سے پانی کی عدم فراہمی کے باعث کافی مشکلات سے دوچار ہونا پڑا۔ دیہاڑی دار طبقہ روزگار نہ ملنے کی وجہ سے معاشی مشکلات سے دوچار ہو گئے۔ ٹرانسپورٹ کی بندش سے نوشکی کا رابطہ منقطع ہونے کے باعث گھروں میں محصور ہونے کی وجہ سے بھی شہری ذہنی اذیت سے دوچار ہوئے۔ (محمد سعید)

بیوی کو قتل کر دیا

اوکاڑہ دیپالپور کے نواحی علاقہ چک نظام دین میں 40 سالہ ناظم نے اپنی بیوی 30 سالہ کرن کو تیز دھار آلے سے قتل کر ڈالا۔ ناظم کو اپنی اہلیہ پر بدچلنی کا شبہ تھا۔ مقتولہ چار بچوں کی ماں تھی جن میں ایک بیٹی اور تین بیٹے شامل ہیں۔ میاں بیوی میں اکثر جھگڑا رہتا تھا۔ رات گئے دونوں کے درمیان تکرار ہوئی تھی۔ ملزم قتل کی واردات کے بعد آلہ قتل سمیت موقع سے فرار ہو گیا۔ مقامی پولیس کو اطلاع ملتے ہی دیپالپور سٹی پولیس موقع پر پہنچ گئی۔

(اصغر حسین حماد)

اساتذہ کی کمی پوری کی جائے

خیبر سکولوں میں اساتذہ کی کمی کو پورا کیا جائے، ای ٹرانسفر پالیسی پر نظر ثانی کی جائے، آئی ٹی اور سائنس لیبارٹریوں کا قیام عمل میں لایا جائے، اساتذہ کیلئے تعلیم کو ہی اولین ترجیح قرار دیا جائے اور سکولوں میں کمروں کی تعداد موجودہ کلاسوں کی تعداد کے مطابق کی جائے۔ان خیالات کا اظہار تنظیم اساتذہ سیکرٹری ضلع مجاہد شاہ، سیکرٹری تحصیل شفیق الرحمان، شعبہ بہبود کے ذمہ دار ملک نادر شاہ ودیگر نے ڈسٹرکٹ پریس کلب لنڈی کوتل میں کیا۔انہوں نے کہا کہ ضلع خیبر میں اساتذہ کی شدید کمی ہے اور بالعموم پرائمری سطح پر دو اساتذہ جبکہ لوئے شلمان اور بازار ذخہ خیل کے کئی سکولز میں ایک استاد پورا پرائمری حصہ چلا رہا ہے۔ایک رپورٹ کے مطابق سٹوڈنٹس ٹیچر ریشو پالیسی کے مطابق 651 اساتذہ کی فی الفور ضرورت ہے۔اسی رپورٹ کی بنیاد پر وہ ضلع خیبر میں اساتذہ کرام کی فوری تعیناتی اور اسکولوں میں بلڈنگ یعنی چھ کمروں کی تعمیر کا مطالبہ کرتے ہیں۔انہوں نے کہا کہ ای ٹرانسفر پالیسی میں ایک مشکل یہ ہے کہ پرائمری ٹیچر اس میں سرے سے اپلائی نہیں کر سکتے۔اس میں اصلاحات لائی جائے اور ہائی سکول کی سطح پر لیب اور اس کیلئے اساتذہ کی تعیناتی کی جائے تاکہ اعلیٰ تعلیم کے حصول میں طلباء کو مشکلات درپیش نہ ہوں۔انہوں نے کہا کہ جو تنظیمیں اساتذہ سے وابستہ ہوں انہیں پالیسی سازی میں شامل کیا جائے اور پی ٹی سی فنڈ ایک بہترین پالیسی ہے۔اس کی مزید شفافیت کیلئے آڈٹ اور کلیئرنس سرٹیفکیٹ لازمی قرار دیا جائے۔انہوں نے کہا کہ تنظیم اساتذہ ضلع خیبر ایک رجسٹرڈ اساتذہ تنظیم ہے جو ملک بھر میں اساتذہ کی بہبود، طلباء کے مسائل اور تدریسی نظام کی بہتری سمیت مختلف شعبوں میں تسلسل کے ساتھ کام کر رہی ہے۔انہوں نے کہا کہ صوبائی سطح پر سابق وزیر اعلیٰ نے اپ گریڈیشن پالیسی بنائی تھی، لیکن افسوس کہ گنڈاپور نے آتے ہی دوبارہ یہ پالیسی ختم کر دی جسے ہم موجودہ وزیر اعلیٰ سہیل آفریدی سے دوبارہ نافذ کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں۔آخر میں انہوں نے کہا کہ سکولوں میں لیٹرین، پانی ودیگر سہولیات فراہم کی جائیں، اس کے ساتھ ساتھ اساتذہ کو تحفظ فراہم کیا جائے اور گزشتہ روز تحصیل باڑہ میں شہید ہونے والے استاد کے ورثاء کو شہید پیکج دیا جائے اور طلباء کو بروقت کتب فراہم کی جائیں۔استاد کی تدریسی ذمہ داریوں کے علاوہ دیگر ذمہ داریاں کم کی جائیں تاکہ وہ پوری توجہ صرف اور صرف طلباء کی پڑھائی پر دیں۔

(مسعود شاہ)

متاثرہ خاندان کی امداد کی جائے

باڑہ وادی تیراہ میدان کے علاقے ڈونگا شلوبر میں گزشتہ سال 16 مارچ 2025 کو گولہ گرنے کے واقعے سے متاثرہ خاندان نے حکومت سے اعلان کردہ مالی امداد فوری طور پر ادا کرنے کا مطالبہ کرتے ہوئے خبردار کیا ہے کہ اگر ان سے کیے گئے وعدے پورے نہ کیے گئے تو وہ احتجاج پر مجبور ہوں گے۔ان خیالات کا اظہار متاثرہ خاندان کے سربراہ جان ولی ولد مدک شلوبر پیرال خیل نے باڑہ پریس کلب میں پریس کانفرنس کرتے ہوئے کیا۔اس موقع پر ان کے ہمراہ تحریک متاثرین تیراہ میدان کے چیئر مین رحمت شاہ آفریدی، ترجمان صحبت آفریدی اور منہاج لالا سمیت دیگر لوگ موجود تھے۔انہوں نے بتایا کہ جان ولی کے گھر پر نامعلوم سمت سے گولہ گرنے کے نتیجے میں ان کا ایک بیٹا جاں بحق جبکہ اہلیہ سمیت تین افراد شدید زخمی ہوئے، جو آج بھی معذوری کی زندگی گزار رہے ہیں۔انہوں نے کہا کہ زخمی بیٹے کے علاج پر اب تک 65 لاکھ روپے خرچ ہو چکے ہیں، جس کے لیے انہیں اپنی ذاتی جائیداد فروخت کرنا پڑی، تاہم حکومتی سطح پر زخمیوں کو صرف 50 ہزار روپے کی امداد فراہم کی گئی، جو علاج کے اخراجات کے مقابلے میں نہایت کم ہے۔جان ولی کا کہنا تھا کہ وہ ایک غریب خاندان سے تعلق رکھتے ہیں اور گھر کے تین افراد کے معذور ہونے کے باعث ان کا مزید علاج اور روزمرہ اخراجات برداشت کرنا ان کے لیے ممکن نہیں رہا۔ترجمان صحبت آفریدی نے وزیر اعلیٰ خیبر پختونخوا، کور کمانڈر پشاور، ضلعی انتظامیہ اور دیگر متعلقہ حکام سے مطالبہ کیا کہ زخمیوں کے لیے اعلان کردہ 25 لاکھ روپے اور جاں بحق ہونے والے کے ورثا کے لیے ایک کروڑ روپے کا امدادی پیکیج فوری طور پر جاری کیا جائے۔اس موقع پر تیراہ متاثرین کے ترجمان صحبت آفریدی نے کہا کہ متاثرہ خاندانوں سے کیے گئے وعدوں پر بلا تاخیر عمل درآمد کیا جائے۔ (منظور آفریدی)

پارکنگ بنائی جائے

نوشکی ضلع نوشکی کی آبادی میں تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے۔نوشکی کے تمام دیہی علاقوں کے باشندے دفتری امور، تعلیم کے حصول اور روزمرہ ضروریات کی اشیاء کی خریداری کے لیے نوشکی شہر آتے ہیں۔ نوشکی شہر میں گاڑیوں کی پارکنگ کے لیے کوئی سہولت نہ ہونے کی وجہ سے نوشکی شہر کے وسط اور بالخصوص ہندو محلّہ میں گھروں کے سامنے لوگ گاڑیاں پارک کرتے ہیں جس کی وجہ سے ہندو برادری کی طالبات کو اسکول اور خواتین کو اپنی مذہبی عبادات کے لیے مندروں میں جانے میں مشکلات پیش آتی ہیں۔ ہندو برادری کے رہنماؤں نے ضلعی انتظامیہ اور پولیس حکام کی توجہ اس مسئلہ کی جانب مبذول کراتے ہوئے مطالبہ کیا ہے کہ نوشکی شہر میں گاڑیوں کی پارکنگ کی تعمیر عمل میں لانے کے لیے اقدامات کیے جائیں۔ (محمد سعید)

نادرا سنٹر پر سہولیات فراہم کی جائیں

اوکاڑہ بصیر پور شہر میں واقع نادرا سینٹر پر شہریوں کے لیے صرف ایک ٹوکن کاؤنٹر اور شناختی کارڈ بنوانے کے دو کاؤنٹر قائم ہیں۔اس سینٹر پر روزانہ سینکڑوں شہری آتے ہیں۔سینٹر پر کاؤنٹر کی تعداد کم ہونے کی وجہ سے یہاں روزانہ عورتوں اور مردوں کی لمبی قطاریں نظر آتی ہیں۔اس سینٹر پر چورستہ میاں خان اور منڈی احمد آباد سے بھی شہری آتے ہیں۔مقامی شہریوں نے چیئر مین نادرا سے مطالبہ کیا ہے کہ اس سینٹر پر مزید پانچ کاؤنٹر قائم کئے جائیں تاکہ شہریوں کی مشکلات کم ہو سکیں۔ (اصغر حسین حماد)

آٹھ ہاری افراد بازیاب

عمرکوٹ 21 جولائی کو عدالتی احکامات پر پولیس اسٹیشن بودر فارم کی کارروائی، 8 ہاری افراد بازیاب۔عدالت ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج کی تعمیل میں، پولیس اسٹیشن بودر فارم نے کامیاب کارروائی کرتے ہوئے زمیندار صلاح الدین پٹھان خان کے قبضے سے 8 ہاری افراد کو بازیاب کرالیا۔ بازیاب ہونے والے افراد کی تفصیل درج ذیل ہے۔ رامون ولد جگسی، سھت کرمان زوجہ جگسی، سھت لالی زوجہ بھورو، گوری بنت جگسی، دھانی بنت جگسی، سورج ولد جگسی، بھوری بنت رامون، اور والی بنت رامون۔

(نامہ نگار)

عورتیں

امدادی وسائل میں خطرناک حد تک کمی

صنفی مساوات کے لیے اقوام متحدہ کے ادارے (یو این ویمن) نے خبردار کیا ہے کہ امدادی وسائل میں خطرناک حد تک کمی کے باعث بحران زدہ علاقوں میں خواتین کی فلاح و بہبود کے لیے کام کرنے والی تنظیمیں سخت مشکلات کا شکار ہیں اور ڈیڑھ سال میں 10 لاکھ خواتین اور لڑکیاں ضروری انسانی امداد سے محروم ہوگئی ہیں۔

بقا کی جنگ

خواتین کی تنظیمیں افغانستان، جمہوریہ کانگو اور ہیٹی سمیت دنیا کے بدترین انسانی بحرانوں میں لوگوں کی مدد کے لیے اہم کردار ادا کر رہی ہیں۔ یو این ویمن میں امدادی کارروائیوں کے شعبے کی سربراہ صوفیہ کالٹورپ نے کہا ہے کہ ان تنظیموں سے واپس لیا جانے والا ہر ڈالر دراصل جنگی حالات میں جنسی تشدد کا شکار خواتین اور لڑکیوں، بے گھر ماؤں، تعلیم سے محروم لڑکیوں اور بقا کی جنگ لڑنے والی پوری برادریوں سے چھین لیا جاتا ہے۔

مالی بحران کے دوررس اثرات

امدادی وسائل کی کمی کے اثرات اب براہ راست بحران زدہ علاقوں میں محسوس کیے جا رہے ہیں۔ یو این ویمن کے جائزے میں شامل نصف تنظیموں نے بتایا کہ وسائل کی کمی کے باعث انہوں نے امداد کے لیے انتظار کی فہرستیں بنادی ہیں یا ضرورت مند خواتین اور لڑکیوں کو واپس بھیجنے پر مجبور ہیں کیونکہ وہ مزید لوگوں کی مدد نہیں کرسکتیں۔ یو این ویمن نے عالمی برادری سے مطالبہ کیا ہے کہ خواتین کی تنظیموں پر مستقل اور موثر سرمایہ کاری کی جائے کیونکہ یہی ہنگامی حالات میں سب سے پہلے مدد کے لیے پہنچتی، خواتین کے حقوق کا دفاع کرتی اور امن و بحالی میں بنیادی کردار ادا کرتی ہیں۔

رپورٹ کے اہم نکات

- جنوری 2025 سے اب تک امدادی فنڈز میں ریکارڈ کمی کے باعث کم از کم 10 لاکھ خواتین اور لڑکیاں ضروری امدادی خدمات سے محروم ہو چکی ہیں۔
- 90 فیصد تنظیمیں موجودہ ضروریات پوری کرنے کے قابل نہیں رہیں جبکہ 84 فیصد نے بتایا کہ ان کی خدمات کی طلب میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔

(بشکریہ یو این خبرنامہ)

ماہ رنگ بلوچ کی سزا انصاف کا کھلا مذاق، یو این انسانی حقوق ماہرین

8 جولائی 2026 انسانی حقوق۔ اقوام متحدہ کے ماہرین انسانی حقوق نے پاکستان میں حقوق کی کارکن ڈاکٹر ماہ رنگ بلوچ کو دہشت گردی اور قتل کے مقدمات میں دو مرتبہ عمر قید کی سزا سنائے جانے پر سخت تشویش کا اظہار کیا ہے۔ ماہرین نے کہا ہے کہ ماہ رنگ بلوچ کو دی جانے والی سزا انصاف کا کھلا مذاق ہے۔ یہ فیصلہ مبینہ طور پر ایک غیر منصفانہ مقدمے کے بعد سامنے آیا جس میں انسداد دہشت گردی اور قتل کے الزامات کو پرامن احتجاج، انجمن سازی اور اظہار رائے کی آزادی کے حق کو دبانے کے لیے استعمال کیا گیا۔ ماہ رنگ بلوچ پاکستان کے صوبہ بلوچستان میں بلوچ یکجہتی کمیٹی (بی وائی سی) کی سربراہ ہیں، جو بلوچ قومیت کے لوگوں کے حقوق کے لیے کام کرتی ہے۔ انہیں کمیٹی کے ایک اور رہنما صبغت اللہ شاہ کے ساتھ جولائی 2024 میں ساحلی علاقے گوادر میں ایک احتجاج کے دوران سکیورٹی اہلکار کے قتل کے مقدمے میں یہ سزا سنائی گئی۔ یہ احتجاج مبینہ ریاستی تشدد، جبری گمشدگیوں، احتساب کے فقدان اور غیرملکی سرمایہ کاری سے منسلک منصوبوں کے خلاف کیا گیا تھا۔ عدالت نے قرار دیا کہ ماہ رنگ بلوچ اور ان کے ساتھی احتجاج میں شریک تھے اس لیے ان کا قتل کی نیت میں مشترکہ کردار تھا۔ عدالت نے ان کے اس طرز عمل کو دہشت گردی بھی قرار دیا۔ ماہ رنگ بلوچ کے خلاف کم از کم 50 دیگر مقدمات بھی زیر سماعت ہیں۔

قوانین کا غلط استعمال

ماہرین نے کہا ہے کہ بظاہر ان مقدمات کا مقصد انہیں اور حقوق کی خلاف ورزی کے متاثرین کے لیے آواز اٹھانے والے دیگر لوگوں کو ڈرانا دھمکانا، سزا دینا اور خاموش کرانا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ماہ رنگ بلوچ کے مقدمے کی سماعت جیل کے اندر کی گئی جبکہ ملزمان کو عدالت میں ذاتی طور پر پیش ہونے کی اجازت نہیں دی گئی۔ انہیں اپنی مرضی کا وکیل منتخب کرنے کی بھی اجازت نہیں دی گئی اور سرکاری وکیل کے ذریعے مقدمہ لڑنے پر مجبور کیا گیا۔ ماہرین نے ماہ رنگ بلوچ کی صحت، جیل میں مبینہ نامناسب حالات، طبی سہولتوں کی کمی اور ان کے اہل خانہ پر مبینہ دباؤ پر بھی تشویش کا اظہار کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ بین الاقوامی قانون کے تحت منصفانہ مقدمے کا حق ہر حال میں یقینی بنایا جانا چاہیے۔ حکومت شہری و سیاسی حقوق سے متعلق بین الاقوامی عہدنامے اور ملکی آئین کے تحت عائد ذمہ داریوں کو پورا کرے اور انسداد دہشت گردی قوانین کے غلط استعمال کو روکے۔

شہری آزادیوں کو خطرہ

ماہرین کے مطابق، ماہ رنگ بلوچ کو یہ سزا ایسے وقت دی گئی ہے جب بلوچستان میں احتجاجی مظاہروں اور سکیورٹی کارروائیوں کے بعد بلوچ یکجہتی کمیٹی کے خلاف کریک ڈاؤن جاری ہے۔ اس دوران حد سے زیادہ طاقت کے استعمال، ناجائز گرفتاریوں، جبری گمشدگیوں اور نقل و حرکت پر پابندیوں کی اطلاعات بھی سامنے آئی ہیں۔ ماہرین نے خدشہ ظاہر کیا ہے کہ یہ سزائیں بلوچستان میں آزاد آوازوں کو خاموش کرنے اور شہری آزادیوں کو مزید محدود کرنے کا سبب بن سکتی ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ جہاں کاروباری اور سرمایہ کاری کے منصوبے مقامی آبادی کو منفی طور سے متاثر کرتے ہوں وہاں ریاستوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ حقوق کی خلاف ورزی سے تحفظ فراہم کریں اور یقینی بنائیں کہ متاثرہ افراد بلاخوف و خطر اپنے تحفظات سامنے لاسکیں۔ کاروباری اداروں کی بھی ذمہ داری ہے کہ وہ کاروبار اور انسانی حقوق سے متعلق اقوام متحدہ کے رہنما اصولوں کے مطابق انسانی حقوق کا احترام کریں، مناسب جانچ پڑتال کریں اور متاثرہ برادریوں سے بامعنی مشاورت کریں۔ ماہرین نے مزید نشاندہی کی ہے کہ گزشتہ ہفتے ہی انسانی حقوق کی ایک اور بلوچ کارکن سمی دین بلوچ، کے گھر پر چھاپہ مارا گیا۔ اس سے قبل بھی بڑی تعداد میں سکیورٹی اہلکار بار بار ان کے گھر آتے رہے جسے ماہرین نے انہیں ہراساں کرنے، دباؤ ڈالنے اور خوفزدہ کرنے کے ایک منظم سلسلے کا حصہ قرار دیا ہے۔

غیر جانبدار ماہرین و اطلاع کار

غیر جانبدار ماہرین یا خصوصی اطلاع کار اقوام متحدہ کی انسانی حقوق کونسل کے خصوصی طریقہ کار کے تحت مقرر کیے جاتے ہیں جو اقوام متحدہ کے عملے کا حصہ نہیں ہوتے اور اپنے کام کا معاوضہ بھی وصول نہیں کرتے۔ (بشکریہ یو این خبرنامہ)

لڑکی کے چہرے پر تیزاب پھینک دیا

اوکاڑہ اطلاعات کے مطابق، حجرہ شاہ مقیم میں معمولی تلخ کلامی پر 16 سالہ وقاص نامی نوجوان نے اپنی کزن رابعہ کے چہرے پر تیزاب پھینک دیا۔ متاثرہ رابعہ بی بی کو فوری طبی امداد کیلئے ہسپتال منتقل کر دیا گیا۔ تھانہ حجرہ شاہ مقیم نے واقعے کا مقدمہ درج کر کے تفتیش شروع کر دی ہے۔ (اصغر حسین حماد)

بچوں کے حقوق پر بیشتر ایشیائی کاروباروں کے قول و فعل میں تضاد، یونیسف

اقوامِ متحدہ کے ادارہ برائے اطفال (یونیسف) کی نئی تحقیق سے انکشاف ہوا ہے کہ ایشیا کے نو ممالک میں 1399 کاروباری اداروں میں بیشتر انسانی حقوق کے تحفظ کے عزم کا اظہار کرتے ہیں لیکن بہت کم ایسے ہیں جو اپنی سرگرمیوں سے بچوں پر پڑنے والے ماحولیاتی اور سماجی اثرات کو سامنے لاتے ہیں۔ تحقیق کے مطابق اگرچہ ایشیا کے بیشتر ممالک کی ایک تہائی آبادی بچوں پر مشتمل ہے لیکن اس کے باوجود کاروباری پائیداری سے متعلق اطلاعات کی فراہمی میں بچوں کو تقریباً نظرانداز کیا جاتا ہے۔ تضاد خاص طور پر ان شعبوں میں نمایاں ہے جن کا تعلق خطے میں بچوں کو درپیش بڑے مسائل سے ہے۔ ایشیا و الکاہل کے لیے یونیسف کے علاقائی ڈائریکٹر سنجے وجے سیکرا نے کہا ہے کہ پورے ایشیا میں کاروباری پائیداری سے متعلق معلومات کی فراہمی کو دنیا کے کسی بھی دوسرے خطے کے مقابلے میں زیادہ تیزی سے فروغ مل رہا ہے۔ لیکن بچوں کے حقوق اب بھی پائیداری کے ان اہم ترین پہلوؤں میں شامل ہیں جن پر معلومات جاری نہیں کی جاتیں۔ تحقیق سے سامنے آیا ہے کہ تقریباً تین چوتھائی کمپنیاں انسانی حقوق سے اپنی وابستگی ظاہر کرتی ہیں جبکہ 88 فیصد ایسی ہیں جو بچوں سے متعلق سماجی سرگرمیوں کو کاروباری فلاحی کاموں کے طور پر بتاتی ہیں۔ ہر 20 میں سے ایک کمپنی ایسی ہے جو بچوں کو اپنے اہم سٹیک ہولڈرز میں شمار کرتی ہے جبکہ ہر 100 میں سے ایک کمپنی یہ جائزہ لیتی ہے کہ اس کے کاروبار کے بچوں پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

بچوں کے تحفظ پر معلومات کا اخفا

بہت کم کمپنیاں یہ بتاتی ہیں کہ وہ موسمیاتی تبدیلی، آن لائن خطرات، غذائی قلت، بچہ مزدوری اور والدین کے کام کے حالات جیسے مسائل کے باعث بچوں پر پڑنے والے اثرات اور خطرات سے کیسے نمٹ رہی ہیں۔ صرف دو فیصد کمپنیاں اپنی ماحولیاتی حکمت عملی میں بچوں کا ذکر کرتی ہیں جبکہ ٹیکنالوجی کے شعبے کی 10 فیصد سے بھی کم کمپنیاں بچوں کو آن لائن خطرات سے محفوظ رکھنے کے لیے اپنے اقدامات کی تفصیلات فراہم کرتی ہیں۔ تین فیصد کمپنیاں بچوں کے تحفظ کو یقینی بنانے والی ذمہ دارانہ تشہیری پالیسیوں پر عملدرآمد کا عزم ظاہر کرتی ہیں۔ حتیٰ کہ خوراک اور مشروبات کے شعبے میں بھی صرف 12 فیصد کمپنیاں ہی حفاظتی پالیسیوں کے بارے میں معلومات فراہم کرتی ہیں۔

معاشی و انسانی ترقی پر منفی اثرات

تحقیقی رپورٹ کے مطابق، اگرچہ 72 فیصد کمپنیاں بچہ مزدوری کے خاتمے کا عزم ظاہر کرتی ہیں، لیکن صرف دو فیصد یہ بتاتی ہیں کہ جب بچوں سے مشقت لینے کے واقعات سامنے آتے ہیں تو وہ ان کا ازالہ کس طرح کرتی ہیں۔ صرف تین فیصد کمپنیاں ایسی ہیں جو خام مال فراہم کرنے والوں کو بہتر طرزِ عمل اپنانے میں معاونت فراہم کرتی ہیں۔ کام کی خاندان دوست جگہوں سے متعلق صورتحال نسبتاً بہتر ہے اور اس بارے میں معلومات کی فراہمی زیادہ عام ہے، تاہم کارکنوں کو باوقار معیارِ زندگی کے مطابق اجرت فراہم کرنے کے واضح وعدے اب بھی بہت کم دیکھنے میں آتے ہیں۔ سنجے وجے سیکرا نے کہا ہے کہ یہ خامیاں بچوں کی فلاح و بہبود ہی کو متاثر نہیں کرتیں بلکہ مستقبل کی افرادی قوت، پیداواری صلاحیت، معاشی ترقی اور انسانی ترقی پر بھی ان کے دوررس اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ ایشیا ماحولیاتی، سماجی اور انتظامی معیارات کی تشکیل میں قائدانہ کردار ادا کر رہا ہے، اسی لیے اس کے پاس یہ بہترین موقع ہے کہ وہ بچوں کے حقوق کو نظرانداز کیے جانے کا سلسلہ ختم کرے۔

یونیسف کی سفارشات

اس حوالے سے ادارے نے حکومتوں اور کاروباری اداروں کو درج ذیل اقدامات کی بطورِ خاص سفارش کی ہے:

- کمپنیاں وعدوں تک محدود رہنے کے بجائے اپنے کاروبار کے بچوں پر پڑنے والے اثرات کی نشاندہی کریں، ان کا موثر انتظام یقینی بنائیں، ان سے متعلق معلومات فراہم کریں اور اپنی فلاحی سرگرمیوں کو بچوں کی حقیقی ضروریات اور کاروباری اثرات سے ہم آہنگ بنائیں۔•

حکومتیں اور پالیسی ساز ایسے قوانین، پالیسیوں اور اطلاع کاری کے نظام وضع کریں جن میں بچوں کے حقوق کو لازمی اہمیت دی جائے۔• سرمایہ کار اور سٹاک مارکیٹیں بچوں کے حقوق کو بنیادی ماحولیاتی، سماجی اور انتظامی معیار کا حصہ بنائیں، بچوں سے متعلق خطرات اور اثرات کو سرمایہ کاری کی درجہ بندی اور اطلاع کاری میں شامل کریں اور ایسی سرمایہ کاری کو فروغ دیں جو ایشیا میں بچوں کی ترقی میں معاون ثابت ہو۔

- والدین، صارفین، بچے اور نوجوان اپنی آواز، اپنے انتخاب اور اپنے تجربات کے ذریعے کاروباری اداروں کو جواب دہ بنائیں اور ایسے طریقہ ہائے کار تشکیل دیں جن کے تحت بچوں کا تحفظ اور ان کی بہبود یقینی ہو۔

(بشکریہ یو این خبرنامہ)

بچے

لڑکی سے زیادتی کوشش

عمرکوٹ 24 جولائی کو کنری شہر کے قریب گوٹھ میمن، کنری کے علاقے 11 واٹر کی رہائشی 16 سالہ یتیم لڑکی نیلاں بنت گینو کولہی نے اپنے لواحقین کے ہمراہ پولیس تھانہ کنری پہنچ کر رمیش کولہی نامی لڑکے کے خلاف رپورٹ درج کراتے ہوئے مؤقف اختیار کیا کہ وہ کھیت میں کپاس چن رہی تھی کہ ملزم رمیش کولہی نے اسے زور سے پکڑ کر جنسی زیادتی کرنے کی کوشش کی، اس کے کپڑے پھاڑ کر پہنے ہوئے زیورات بھی چھین لئے۔ اس نے مزید بتایا کہ ملزم نے اس کے چلانے اور پکارنے پر مدد کے لئے پہنچنے والے اس کے ماموں کے بیٹے بھورو کولہی کو بھی مار پیٹ کا نشانہ بنایا۔ متاثرہ نے مطالبہ کیا کہ وہ یتیم ہے، اسے انصاف فراہم کیا جائے۔ پولیس کا کہنا تھا کہ واقعے کی رپورٹ درج ہو چکی ہے اور مزید تفتیش جاری ہے۔

(نامہ نگار)

خسرہ کے مرض سے دو بچے جاں بحق

عمرکوٹ 21 جولائی کو عمرکوٹ شہر سے 5 کلومیٹر کے فاصلے پر عمرکوٹ۔ کنری مین روڈ پر واقع قائم کنڈی اسٹاپ کے پاس گوٹھ ہوتو کولہی میں آٹھ بچوں کو خسرہ کی وبا نے گھیر لیا جس کے نتیجے میں روپو کولہی کے دو معصوم بچے چھ سالہ سنیتا اور تین سالہ گلاب کولہی فوت ہوگئے۔ جبکہ روپو کولہی ہی کے دو اور بچے مکلیش اور راجکمار، وشنو کولہی کے تین بچے ہر ایک پچھی، پائل اور سنتوش، اور بختو کولہی کا ایک بچہ ہریش خسرہ کی وجہ سے بستر پر بیمار پڑے ہوئے ہیں۔ خسرہ کی وجہ سے دو بچوں کی ہلاکت اور چھ بچوں کے بیمار ہونے کی خبر سوشل میڈیا پر وائرل ہونے کے بعد ضلعی صحت انتظامیہ حرکت میں آئی اور خسرہ میں مبتلا بچوں کو علاج و معالجے کی سہولت دی گئی۔

(نامہ نگار)

ایچ آرسی پی شکایات سیل

ایچ آرسی پی شکایات سیل نے 1985ء میں کام شروع کیا جب کسی بھی سرکاری یا غیر سرکاری ادارے میں ایسا مخصوص سیل موجود نہیں تھا جو مظلوم لوگوں کی شکایات وصول کرتا ہو۔اس وقت سے،ایچ آرسی پی پاکستان بھرمیں انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کے ازالے کے لئے جدوجہد میں مصروف ہے۔

ایچ آرسی پی شکایت سیل کو ماہانہ سینکڑوں شکایات موصول ہوتی ہیں۔ہم جونہی خواتین کے خلاف تشدد،محکمہ جاتی مسائل،اقلیتوں کے حقوق،جبری شادیوں، جبری تبدیلی مذہب،جبری گمشدگیوں،سائبر جرائم اور دیگر تمام انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں سے متعلق شکایات وصول کرتے ہیں اور اس پر ایکشن لیتے ہیں۔تاہم،مالی معاونت،سیاسی پناہ،جائیداد کے تنازعات یا ذاتی تنازعات سے متعلق شکایات ہمارے دائرہ کار سے باہر ہیں۔

طریقہ کار

جیسے ہی ہمیں شکایات موصول ہوتی ہیں ہم متعلقہ حکام سے رابطہ کرتے ہیں اور کیس پر کارروائی کا آغاز کر دیتے ہیں۔ہمارا بہت سے سرکاری اور غیر سرکاری اداروں کے ساتھ ایک براہ راست ریفرل نظام موجود ہے جس کا مقصد شکایت کے فوری ازالے کو یقینی بنانا ہے۔

ہم سے رابطہ کریں

اگر آپ نے کوئی شکایت درج کرانی ہے تو ہمیں کال کر سکتے ہیں،واٹس ایپ کر سکتے ہیں،ای میل بھیج سکتے ہیں یا خط ارسال کر سکتے ہیں۔

آپ اپنے قریبی ایچ آرسی پی شکایات ڈیسک میں بذات خود جا کر شکایت رجسٹر کرواسکتے ہیں اور کمپلینٹ آفیسر سے بذات خود بات کر سکتے ہیں۔

لاہور	کراچی	پشاور
ایوان جمہور۔107 ٹیپو بلاک،نیوگارڈن ٹاؤن،لاہور 54600 فون : +92 42 3586 4994, 3583 8341, 3586 5969 ای۔میل : hrcp@hrcp-web.org ویب سائیٹ : www.hrcp-web.org مرکز شکایات سیل فون : +92 042 3584 5969 موبائل : + 92 0333 200 6800 ای میل : complaints@hrcp-web.org	یونٹ نمبر 08،فلور 1 سٹیٹ لائف بلڈنگ نمبر 5 (الاکو ہاؤس) عبداللہ ہارون روڈ صدر،کراچی۔74400 فون : +92 21 3563 7131, 3563 7132 شکایات سیل (موبائل) : +92 315 111 6287 ای میل : karachi@hrcp-web.org	43 گلشن اقبال لین (نزد اراب روڈ سٹاپ) یونیورسٹی روڈ،پشاور فون : +92 091 584 4253 شکایات سیل (موبائل) : +92 0318 950 0640 ای میل : peshawar@hrcp-web.org

اسلام آباد	کوئٹہ	حیدر آباد
آفس B-1،فلور 2 بلاک ڈی-12،(اوپر فیصل بینک) جی 8،مرکز،اسلام آباد فون : +92 51 835 1127 شکایات سیل (موبائل) : +92 333 569 4773 ای میل : islamabad@hrcp-web.org	فلیٹ نمبر C-6 کبیر بلڈنگ ایم۔اے جناح روڈ،کوئٹہ فون : +92 81 282 7869 شکایات سیل (موبائل) +92 306 294 6125 ای میل : quetta@hrcp-web.org	306- فائزہ آرکیڈ،(لوفٹ اینڈ میزانائن فلور) نزد مسجد حاجی شاہ بخاری درگاہ صدر کنٹونمنٹ،حیدر آباد فون : +92 22 278 3688, 720 770 فیکس : +92 22 278 4645 شکایات سیل (موبائل) : +92 310 339 2222 ای میل : hyderabad@hrcp-web.org

ملتان	گلگت	تربت/مکران
2511/5A ابدالی کالونی نزد بریٹین سکول ملتان فون : +92 61 451 7217 شکایات سیل (موبائل) : +92 331 665 5529 ای میل : multan@hrcp-web.org	آفس نمبر 8-9،رانگ یَل پلازہ جماعت خانہ روڈ،ذوالفقار آباد کالونی، جتیال،گلگت موبائل : +92 0344 547 5553 شکایات سیل (موبائل) : +92 355 454 1088 ای میل : gilgit@hrcp-web.org	پرواز ہاؤس، بالمقابل علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی پسنی روڈ،تربت،کیچ فون : +92 852 413 365 شکایات سیل (موبائل) : +92 323 234 2406 ای میل : turbat@hrcp-web.org

Human Rights Commission of Pakistan
جہدِ حق
پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق جہدِ حق کے تمام قارئین کو آگاہ کرنا چاہتا ہے کہ یہ رسالہ مفت ہے۔ قارئین کو کسی قسم کی قیمت ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہے

انسانی حقوق کا عالمی منشور

10 دسمبر 1948ء کو اقوام عالم نے انسانی حقوق کا مندرجہ ذیل عالمی منشور منظور کیا

دفعہ - 1: تمام انسان آزاد اور حقوق وعزت کے اعتبار سے برابر پیدا ہوئے ہیں۔ انھیں ضمیر اور عقل ودیعت ہوئی ہے۔ انہیں ایک دوسرے کے ساتھ بھائی چارے کا سلوک کرنا چاہیے۔

دفعہ -2: ہر شخص ان تمام آزادیوں اور حقوق کا مستحق ہے جو اس اعلان میں بیان کیے گئے ہیں اور اس حق پر نسل، رنگ، جنس، زبان، مذہب اور سیاسی تفریق کا یا کسی قسم کے عقیدے، قومیت، معاشرے، دولت یا خاندانی حیثیت وغیرہ کا کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

اس کے علاوہ کسی بھی شخص کے ساتھ اس کے علاقے یا ملک کی، سیاسی، عملی یا بین الاقوامی حیثیت کی بناء پر کوئی امتیازی سلوک نہیں کیا جائے گا، خواہ وہ ملک یا علاقہ آزاد ہو یا تولیتی ہو یا غیر مختار ہو یا اقدار اعلٰی کے لحاظ سے کسی اور بندش کا پابند ہو۔

دفعہ - 3: ہر شخص کو اپنی آزادی، زندگی اور تحفظ کا حق ہے۔

دفعہ - 4: کوئی شخص، غلام یا لونڈی بنا کر نہ رکھا جا سکے گا۔ غلامی اور بردہ فروشی، چاہے اس کی کوئی بھی شکل ہو، ممنوع ہو گی۔

دفعہ - 5: کسی شخص کو جسمانی اذیت، یا ظالمانہ انسانیت سوز، یا ذلت آمیز سزا نہیں دی جائے گی۔

دفعہ - 6: ہر شخص کا حق ہے کہ ہر جگہ اس کی قانونی حیثیت کو تسلیم کیا جائے۔

دفعہ - 7: قانون کی نظر میں سب برابر ہیں اور سب بغیر کسی تفریق کے قانون کے اندر امان پانے کے برابر کے حق دار ہیں۔ اس اعلان کی خلاف ورزی میں جو بھی تفریق کی جائے یا جس تفریق کی بھی ترغیب دی جائے، اس سے بچاؤ کے سب برابر کے حقدار ہیں۔

دفعہ - 8: ہر شخص کو ان فعال کے خلاف جو دستور یا قانون میں دیے ہوئے بنیادی حقوق کی نفی کرتے ہوں، بااختیار قومی عدالتوں سے موثر طریقے سے چارہ جوئی کرنے کا حق ہے۔

دفعہ - 9: کسی شخص کو من مانے طور پر گرفتار، نظر بند، یا جلاوطن نہیں کیا جائے گا۔

دفعہ - 10: ہر شخص کو یکساں طور پر حق حاصل ہے کہ اس کے حقوق وفرائض کے تعین یا اس کے خلاف کسی عائد کردہ جرم کے فیصلے کے بارے میں اسے ایک آزاد اور غیر جانب دار عدالت میں کھلی اور منصفانہ سماعت کا موقع ملے۔

دفعہ - 11: (1) ایسے ہر شخص کو جس پر کوئی فوجداری الزام عاید کیا جائے، اس وقت تک بے گناہ شمار کیے جانے کا حق ہے جب تک کہ اس پر کھلی عدالت میں قانون کے مطابق جرم ثابت نہ ہو جائے اور اسے اپنی صفائی پیش کرنے کا پورا موقع اور تمام ضمانتیں نہ دی جاسکی ہوں۔

(2) کسی شخص کو کسی ایسے فعل یا فروگزاشت کی بناء پر جو ارتکاب کے وقت قومی یا بین الاقوامی قانون کے اندر تعزیری جرم شمار نہیں کیا جاتا تھا، کسی تعزیری جرم میں ماخوذ نہیں کیا جائے گا، اور نہ ہی اسے کوئی ایسی سزا دی جائے گی جو جرم کے ارتکاب کے وقت کی مقرر کردہ سزا سے زائد ہو۔

دفعہ - 12: کسی شخص کی نجی زندگی، خانگی زندگی، گھر بار، خط وکتابت میں من مانے طریقے پر مداخلت نہ کی جائے اور نہ ہی اس کی عزت اور نیک نامی پر حملے کیے جائیں گے۔ ہر شخص کو ایسے حملے یا مداخلت سے قانونی تحفظ کا حق ہے۔

دفعہ - 13: (1) ہر شخص کو اپنی ریاست کی حدود کے اندر نقل وحرکت کرنے اور کہیں بھی سکونت اختیار کرنے کی آزادی کا حق ہے۔

(2) ہر شخص کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ کسی ملک سے چلا جائے چاہے یہ ملک اس کا اپنا ہو اور اسی طرح اسے اپنے ملک میں واپس آجانے کا بھی حق ہے۔

دفعہ - 14: (1) ہر شخص کو عقیدے کی بنا پر ایذا رسانی سے بچنے کے لیے دوسرے ملکوں میں پناہ حاصل کرنے اور اس سے فائدہ اٹھانے کا حق ہے۔

(2) یہ حق ان عدالتی کاروائیوں سے بچنے کے لیے استعمال میں نہیں کیا جاسکتا جو خالصتا غیر سیاسی جرائم یا ایسے افعال کی وجہ سے عمل میں آتی ہیں جو اقوام متحدہ کے مقاصد اور اصولوں کے خلاف ہیں۔

دفعہ - 15: (1) ہر شخص کو قومیت کا حق ہے۔

(2) کوئی شخص محض من مانے طور پر قومیت سے محروم نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی اس کو اپنی قومیت تبدیل کرنے کا حق دینے سے انکار کیا جائے گا۔

دفعہ - 16: (1) بالغ مردوں اور عورتوں کو بغیر ایسی پابندی کے جو نسل، قومیت، یا مذہب کی بنا پر لگائی جائے شادی بیاہ کرنے اور گھر بسانے کا حق ہے۔ مردوں اور عورتوں کو نکاح، ازواجی زندگی اور نکاح کو فسخ کرنے کے معاملے میں برابر کے حقوق حاصل ہیں۔

(2) نکاح فریقین کی پوری آزادی اور رضامندی سے ہوگا۔

(3) خاندان، معاشرے کی فطری اور بنیادی اکائی ہے اور وہ معاشرے اور ریاست دونوں کی طرف سے حفاظت کا حقدار ہے۔

دفعہ - 17: (1) ہر انسان کو تنہا یا دوسروں سے مل کر جائیداد رکھنے کا حق ہے۔

(2) کسی شخص کو زبردستی اس کی جائیداد سے محروم نہیں کیا جائے گا۔

دفعہ - 18: ہر انسان کو آزادی فکر، آزادی ضمیر اور آزادی مذہب کا پورا حق ہے۔ اس حق میں مذہب اور عقیدے کو تبدیل کرنے اور اجتماعی یا انفرادی طور پر خاموشی یا کھلے بندوں اپنے عقیدے کی تبلیغ، اس پر عمل، اور اس کی عبادات اور رسومات پوری کرنے کی آزادی بھی شامل ہے۔

دفعہ - 19: ہر شخص کو اپنی رائے رکھنے اور اظہار رائے کی آزادی کا حق حاصل ہے۔ اس حق میں یہ امر بھی شامل ہے کہ وہ آزادی کے ساتھ اور بلا کسی قسم کی مداخلت کے اپنی رائے پر قائم رہے اور جس ذریعے سے چاہے اور ملکی سرحدوں کے حائل ہوئے بغیر معلومات اور خیالات کا حصول اور ان کی ترسیل کرے۔

دفعہ - 20: (1) ہر شخص کو پرامن طریقے سے ملنے جلنے اور انجمنیں قائم کرنے کی آزادی کا حق ہے۔

(2) کسی شخص کو کسی انجمن میں شامل ہونے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔

دفعہ - 21: (۱) ہر شخص کو اپنے ملک کی حکومت میں براہ راست یا آزادانہ طور پر منتخب کیے ہوئے نمائندوں کے ذریعے حصہ لینے کا حق ہے۔

(2) ہر شخص کو اپنے ملک میں سرکاری ملازمت حاصل کرنے کا برابر کا حق ہے۔

(3) عوام کی مرضی حکومت کے اقتدار کی بنیاد ہوگی۔ یہ مرضی وقتاً فوقتاً ایسے حقیقی انتخابات کے ذریعے ظاہر کی جائے گی جو عام اور مساوی رائے دہندگی کی بنیاد پر ہوں گے اور جو خفیہ ووٹ یا اس کے مماثل کسی دوسرے آزادانہ طریقہ رائے دہندگی کے مطابق عمل میں آئیں گے۔

دفعہ - 22: معاشرے کے رکن کی حیثیت سے ہر شخص کو معاشرتی تحفظ کا حق حاصل ہے اور یہ حق بھی وہ ملک کے نظام اور وسائل کے مطابق قومی کوشش اور بین الاقوامی تعاون سے ایسے اقتصادی، معاشرتی اور ثقافتی حقوق کو عملاً حاصل کرے، جو اس کی عزت اور شخصیت کی آزادانہ نشوونما کے لیے لازم ہیں۔

دفعہ - 23: (1) ہر شخص کو کام کاج، روزگار کے آزادانہ انتخاب، کام کاج کی مناسب ومعقول شرائط اور بے روزگاری کے خلاف تحفظ کا حق ہے۔

(2) ہر شخص کو کسی تفریق کے بغیر مساوی کام کے لیے مساوی معاوضے کا حق ہے۔

(3) ہر شخص جو کام کرتا ہے وہ ایسے مناسب ومعقول مشاہرے کا حق رکھتا ہے جو خود اس کے اور اس کے اہل وعیال کے لیے باعزت زندگی کا ضامن ہو اور جس میں اگر ضروری ہو تو معاشرتی تحفظ کے دوسرے ذریعوں سے اضافہ کیا جاسکے۔

(4) ہر شخص کو اپنے مفاد کے بچاؤ کے لیے تجارتی انجمنیں، (ٹریڈ یونین) قائم کرنے اور اس میں شریک ہونے کا حق حاصل ہے۔

دفعہ - 24: ہر شخص کو آرام اور فرصت کا حق ہے جس میں کام کے گھنٹوں کی حد بندی اور تنخواہ کے ساتھ مقررہ وقفوں پر تعطیلات میں شامل ہیں۔

دفعہ - 25: (1) ہر شخص کو اپنی اور اپنے اہل وعیال کی صحت اور فلاح و بہبود کے لیے مناسب معیار زندگی کا حق ہے جس میں خوراک، پوشاک، مکان اور علاج کی سہولتیں اور دوسری ضروری معاشرتی مراعات، اور بیروزگاری، بیماری، معذوری، بیوگی، بڑھاپا اور ان حالات میں روزگار سے محرومی جو اس کے قبضہء قدرت سے باہر ہوں، کے خلاف تحفظ کا حق شامل ہے۔

(2) زچہ اور بچہ خاص توجہ اور امداد کے حق دار ہیں۔ تمام بچے خواہ وہ شادی کے بغیر پیدا ہوئے ہوں یا شادی کے بعد، معاشرتی تحفظ سے یکساں طور پر مستفید ہوں گے۔

دفعہ - 26: (1) ہر شخص کو تعلیم کا حق ہے۔ تعلیم کم سے کم ابتدائی اور بنیادی درجوں میں مفت ہوگی۔ ابتدائی تعلیم لازمی ہوگی۔ فنی اور پیشہ ورانہ تعلیم حاصل کرنے کا عام انتظام کیا جائے گا اور لیاقت کی بنا پر اعلٰی تعلیم حاصل کرنا سب کے لیے مساوی طور پر ممکن ہوگا۔

(2) تعلیم کا مقصد انسانی شخصیت کی پوری نشونما ہوگا اور وہ انسانی حقوق اور بنیادی آزادیوں کے احترام میں اضافہ کرنے کا ذریعہ ہوگی۔ وہ تمام قوموں اور نسلی یا مذہبی گروہوں کے درمیان باہمی مفاہمت، رواداری اور دوستی کو ترقی دے گی اور امن کو برقرار رکھنے کے لیے اقوام متحدہ کی سرگرمیوں کو آگے بڑھائے گی۔

(3) والدین کو اس بات کے تصفیہ کا اولین حق ہے کہ ان کے بچوں کو کس قسم کی تعلیم دی جائے گی۔

دفعہ - 27: (1) ہر شخص کو قوم کی ثقافتی زندگی میں آزادانہ حصہ لینے، فنون لطیفہ سے مستفید ہونے اور سائنس کی ترقی اور اس کے فوائد میں شرکت کا حق حاصل ہے۔

(2) ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ اس کے ان اخلاقی اور مادی مفادات کا تحفظ کیا جائے جو اسے ایسی سائنسی، فنی یا ادبی تصنیف سے، جس کا وہ مصنف ہے، حاصل ہوتے ہیں۔

دفعہ - 28: ہر شخص ایسے معاشرتی اور بین الاقوامی نظام کا حقدار ہے جس میں وہ تمام آزادیاں اور حقوق حاصل ہوسکیں جو اس اعلان میں شامل ہیں۔

دفعہ - 29: (1) ہر شخص پر معاشرے کے حق ہیں کیونکہ معاشرے میں رہ کر اس کی شخصیت کی آزادانہ اور پوری نشوونما ممکن ہے۔

(2) اپنی آزادیوں اور حقوق سے فائدہ اٹھانے میں ہر شخص صرف ایسی حدود کا پابند ہوگا جو دوسروں کی آزادیوں اور حقوق کو تسلیم کرانے اور ان کا احترام کرانے کی غرض سے اور ایک جمہوری نظام میں اخلاق، امن عامہ اور عام فلاح و بہبود کے مناسب لوازمات کو پورا کرنے کے لیے قانون کی طرف سے عائد کی گئی ہوں۔

(3) یہ حقوق اور آزادیاں کسی حالت میں بھی اقوام متحدہ کے مقاصد اور اصولوں کے خلاف عمل میں نہیں لائی جاسکتیں۔

دفعہ - 30: اس اعلان کی کسی چیز سے کوئی ایسی بات مراد نہیں لی جاسکتی جس سے کسی ملک، گروہ یا شخص کو کسی ایسی سرگرمی میں مصروف ہونے یا کسی ایسے کام کو انجام دینے کا حق پیدا ہو جس کا منشا ان حقوق اور آزادیوں کی نفی ہو جو یہاں پیش کی گئی ہیں۔

پبلشر: ندیم فاضل: پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق
"ایوان جمہور" 107۔ ٹیپو بلاک، نیوگارڈن ٹائون، لاہور
فون: 35838341-35864994 فیکس: 35883582
ای میل hrcp@hrcp-web.org ویب سائٹ: www.hrcp-web.org
پرنٹر: مکتبہ جدیدپریس، 14ایمپرس، لاہور Registered No. LRL-15

کمپوز:
جمال احمد
سید رضا شاہ